قد افلح من تزکّی و ذکر اسم ربہ فصلّی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

ماہنامہ

المرشد

لاہور

اپریل ۱۹۹۲ء

دولت کمانا منع نہیں ہے، روئے زمین کی دولت کماؤ لیکن حضورؐ نے تجھے اللہ کے دروازے پہ کھڑا کر دیا۔ اپنے اللہ سے پوچھ کر کماؤ کہ کیسے کمانے کی اجازت ہے۔ کماؤ اچھا گھر بناؤ، اچھا لباس پہنو۔ اچھی موٹریں رکھو۔ لیکن اُن حدود کے اندر جن کی اجازت تمہیں تمہارا رب العالمین دیتا ہے اور اگر رب العالمین سے یہ تعلق نصیب نہیں ہوا تو اپنی مسلمانی پر نظرِ ثانی کر لو یہ موقع ہے کہ کیا ہم مسلمان ہیں بھی یا نہیں؟

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۷۰ء

شیخ المکرم حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ،

کے بیانات کی وِڈیو کیسٹس تیار ھوچکی ھیں

وِڈیو کیسٹ

رمضان المبارک			کیسٹ نمبر
۲۱	۲۲		۱
۲۳	۲۴	۲۵	۲
۲۶	۲۷	۲۸	۳
۲۹	۳۰		۴
تقریب رونمائی غبارِ راہ لاہور			۵
اجتماع لنگر مخدوم			۶

-/۲۵۰ روپے فی کیسٹ مع -/۱۰ روپے ڈاک خرچ، بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر ناظمِ اعلیٰ کے نام بھیج کر منگوا سکتے ہیں۔

ناظم اعلیٰ اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ۔ ٹاؤن شپ۔ لاھور

شوال المکرم ۱۴۱۲ھ اپریل ۱۹۹۲ء
جلد: ۱۳ شمارہ: ۹

ماہنامہ المُرشد لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۶۰۷
یکے از مطبوعات :- ادارہ نقشبندیہ، اویسیہ دارالعرفان چکوال

فہرست مضامین

ادا ریہ ۔۔۔۔۔۔ ۳
سوال آپ کا جواب شیخ المکرم کا ۔۔۔۔۔۔ ۴
تعداد ازواج ۔۔۔۔۔۔ ۱۳
برے اعمال کے اثرات ۔۔۔۔۔۔ ۱۸
تزکیۂ نفس ۔۔۔۔۔۔ ۲۲
فضائل رمضان المبارک ۔۔۔۔۔۔ ۳۱
عمل ۔۔۔۔۔۔ ۳۷
باتیں ان کی خوشبو خوشبو ۔۔۔۔۔۔ ۴۱

بدل اشتراک

فی پرچہ: دس روپے ششماہی: ۵۵ روپے
چندہ سالانہ: ۱۰۰ روپے تاحیات ۱۰۰۰ روپے

غیر ملکی

سالانہ - تاحیات
سری لنکا، بھارت، بنگلہ دیش ۲۰۰ روپے - ۲۰۰۰ روپے
مشرقِ وسطیٰ کے ممالک ۵۵ سعودی ریال - ۲۵۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپ ۱۲ سٹرلنگ پونڈ - ۶۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ و کینیڈا ۲۵ امریکن ڈالر - ۱۲۵ امریکن ڈالر

پتہ:- ماہنامہ المرشد - اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور ٹیلیفون لاہور ۸۴۴۹۰۹

ناشر:- پروفیسر حافظ عبدالرزاق، پرنٹرز:- طیب جمال، ریٹی گن روڈ۔ لاہور

ماہنامہ **المرشد** کے :

بانی : حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ
مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست : حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مشیر اعلیٰ
نشر و اشاعت : پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم۔اے (عربی) ایم۔اے (اسلامیات)

ناظم اعلیٰ : کرنل (ریٹائرڈ) مطلوب حسین

مدیر : تاج رحیم

اداریہ

اللہ نے اس سرزمین کے باشندوں پر اپنی سخاوت کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ لیکن ہماری اپنی کوتاہیوں کا شمار نہیں۔ وہ اس قدر ہیں کہ ہم اس کے خزانوں سے پوری طرح مستفید ہونے کے اہل نہ بن سکے۔ یہی ملک تھا جب یہاں کی آبادی ساڑھے تین کروڑ تھی تو آٹا، چینی اور گھی جیسی ضروریات راشن پر ملا کرتی تھیں۔ ٹی بی، جان لیوا فلو، اور ہیضے کی وبا عام تھیں۔ جو بے شمار اجتماعی اموات کا سبب تھیں۔ آج اس ملک کی آبادی بارہ کروڑ سے تجاوز کر رہی ہے۔ اور اللہ کی کرم نوازی دیکھئے کہ ہر چیز کی افراط ہے۔ منڈیاں اور دکانیں غلے، سبزیوں، میوے اور خوراک کی دوسری اشیاء سے بھری پڑی ہیں۔ ملکی اور غیر ملکی مصنوعات سے بازار اٹے پڑے ہیں۔ اسی طرح کی سینکڑوں دوسری سہولیات جن سے اس دیس کے باشندے نا آشنا تھے۔ آج ہماری روزمرہ زندگی کی معمولی ضروریات میں شامل ہیں۔ وہ ممالک جن کے نظریات کو ہم یہاں رائج کرنے کے لیے دن رات کوشاں تھے وہ ٹوٹ پھوٹ کر دوسروں کے خیرات کے محتاج بن گئے اور ہم جو کل بدحال تھے آج خوشحال ہیں۔ اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں۔ ہمارے لیڈروں اور حکمرانوں نے تو اپنی ذاتی اغراض کے لیے اس ملک کو لوٹا اور نوچا۔ پبلک سروس کی مشینری تو ناکارہ اور رشوت خوری کے مرض میں ایسی مبتلا ہے کہ اس کا وجود ملک کے لیے دیمک کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ ایک طرف یہ حالت ہے جو اللہ کے عتاب کو دعوت ہے۔ دوسری طرف اللہ کی کرم نوازیاں دیکھئے کہ اس کی بخششوں اور نعمتوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اللہ کی کرم نوازی اِن لوگوں پر نہیں ہے یہ تو کیڑے مکوڑوں کی طرح PARASITES ہیں۔ اس ملک میں آج بھی نیک اور اللہ کے پسندیدہ بندوں کی کمی نہیں۔ یہ جو اللہ کے نعمتوں کے دروازے کھلے ہیں۔ یہ انہی پسندیدہ لوگوں کے لیے کھلے ہیں۔ ہماری کمزوری یہ ہے کہ ہم نے اپنے خالق و رازق اور زندگی دینے والے کو پہچاننے کی بجائے بدکار حکمرانوں، رشوت خور اہل کاروں اور کالے دھندے کے کاروباریوں کو اہمیت دے رکھی ہے اور اپنی حالت سدھارنے کے لیے ایسے لوگوں کو ماڈل بنا رکھا ہے۔ وقت ہے کہ ہم اپنی سوچ اور عمل میں تبدیلی لائیں۔ اللہ کے پسندیدہ بندوں کے اعمال، اُن کی سوچ، اُن کی زندگی کے طور طریقوں کی تقلید کریں تاکہ ہم بھی اللہ کے پسندیدہ بندوں میں شمار ہو کر، اُس کی نعمتوں کے حق دار بن سکیں۔

تاج رحیم

سوال آپ کا
جوابْ شیخ المکرّم کا

سوال:۔ ۱۔ سانس کے ساتھ طریقۂ ذکر میں کیا انسان کے دماغ دل اور پھیپھڑوں پر طبی نقطہ نظر سے کوئی مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ جب تنفس کو غیر فطری طریقے سے لیا جائے تو اثرات نیک و بد میں احتمال تو ضرور ہے۔

۲۔ مجھے سانس کے ساتھ ذکر کرنے میں بہت دقت ہوتی ہے تھکاوٹ اور کمزوری محسوس ہوتی ہے اور نیند زیادہ آنے لگتی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

۳۔ کیا ذکر بغیر سانس کے بھی کیا جا سکتا ہے؟

(ب) سانس کے ساتھ ذکر کی کوئی سند قرآن و حدیث سے درکار ہے۔

۴۔ مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب دلائل السلوک انگریزی ترجمہ میں سانس کے ساتھ ذکر کی دلیل یہ دی کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہ وحی آتی تھی۔ آپؐ کا سانس تیزی سے چلنے لگتا تھا۔ لیکن اس میں ذکر کرنے کا کوئی ذکر نہیں ملا۔ ممکن ہے وحی کے دباؤ کی وجہ سے سانس مبارک پھول جاتا ہو۔ اس پہ براہِ کرم تبصرہ فرمائیں۔

جواب: پہلا سوال بڑا عجیب لگا مجھے کہ اس طریقۂ ذکر سے دل اور دماغ یا پھیپھڑوں پر طبی نقطہ نظر سے کوئی اثر پڑتا ہے تو شاید انہیں یہ علم نہیں ہے کہ جتنے طریقہ ہائے ذکر ہیں۔ یہ قرونِ اولیٰ سے ہی سارے شروع ہو گئے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ذکر کرتے تھے۔ لیکن اُن کا وجود طبعی طور پہ نگاہِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذاکر ہو گیا جس کی شہادت قرآن کریم میں موجود ہے بلکہ مثالی مسلمان کا جو احوال قرآن نے بیان کیا ہے۔ صحابہ کرام چونکہ قرآن کے مثالی مسلمان ہیں۔ اس لیے یہ دلیل دی جاتی ہے کہ اُن سب کا یہی حال ہے۔

یعنی انسان جب اللہ کا ذکر یا اللہ کی آیات یا اللہ کے احکام سنتا ہے۔ تو نہ صرف اُس کا دل و دماغ بلکہ اُس کی جلد کے جو ذرات ہیں دل کے جو اجزاء ہیں وہ بھی محسوس کرتے ہیں اور وہ بھی لرز اُٹھتے ہیں۔ پھر یہ ہوتا ہے۔ ثم تلین جلودھم و قلوبھم علیٰ ذکر اللہ۔ کھال سے لے کر قلب تک ہر ذرہ بدن ذاکر ہوتا ہے تو صحابہ کا تو یہ حال تھا۔ لیکن اِس کے لیے اُنہیں کوئی محنت و مشقت نہیں کرنا پڑی نگاہِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا کام ایک نگاہ سے ہو گیا۔ صحابہ کی صحبت میں تابعین کو محنت نہیں کرنی پڑی۔ پاس بیٹھنے سے صحابی اس قدر ہو گیا۔ ملاقات سے تبع تابعی اسقدر ہو گیا۔ اُس کے بعد شیخ کی مجلس میں بیٹھ کر ذکر کرنا یہ تو صحابہ سے بھی ثابت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھ کر ذکر کرنا خود آپس میں حلقۂ ذکر۔ مسجد نبوی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت ہے بات صرف مطالعہ کی ہے

اگر کوئی نہیں پڑھتا ہے۔ ساری عمر یہ کہتا رہتا ہے تم ہی بناؤ تو یہ تو زیادتی کی بات ہے۔ آخر سیرت کی احادیث کی ساری کتب ہر جگہ ہر کتب خانہ سے ملتی ہیں تو جسے تحقیق کا اتنا شوق ہے۔ اُسے کچھ خود بھی دیکھنا چاہیئے۔ پھر یہ ذکر اذکار اور تصوف بجائے خود ایک بہت بڑا موضوع ہے اور ایک بہت بڑا شعبہ ہے علم کا جس پر بے شمار تصانیف صوفیاء کی ذاکرین کی اور محققین کی موجود ہیں تو آدمی کو چاہیئے کہ اُن کا مطالعہ کرے۔ ایک آدمی دیکھتا ہی نہیں کسی کتاب کو، اور کہہ دیتا ہے کہ میرے علم میں نہیں ہے۔ ہمارے علم میں تو بہت سی باتیں نہیں ہیں۔ ہمارے علم میں نہ ہونے کی وجہ سے دنیا رُک نہیں جاتیں بلکہ اس میں ہوتا یہ ہے کہ ہمارا علم ناقص یا ادھورا ہوتا ہے کام تو اپنے وقت پہ ہوتا رہتا ہے۔

آج تک تو دل و دماغ کی بیماریوں کی اصلاح ہی ہوئی ہے یعنی ہمارے تجربے میں بھی ہے اور اُس سے پہلے کے بھی جو حالات ہم نے پڑھے اور سُنے ہیں۔ اُن میں بھی مریضوں کو شفا ہوتے دیکھی ہے خود مجھے بتیس برس ہو گئے ہیں یہ ذکر کرتے ہوئے اور بتیس برس بڑا عرصہ ہوتا ہے۔ کوئی مضر اثر ہمارے مشاہدے میں نہیں آیا حضرت رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ اسّی ۸۰ سے اوپر عمر گزار کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ آخر تک اُن کا دل بھی، دماغ بھی، دوسروں سے قوی دوسروں سے زیادہ مضبوط، دوسروں سے زیادہ یادداشت والا تھا ذہنی یادداشت بھی سب سے اچھی، دل بھی سب سے ٹھیک تھا۔ سارے اعضاء بھی درست تھے۔ اُن کی عمر بیت گئی۔ رات دن اسی میں اب تو جاپان سے لاس اینجلز تک ROUND THE GLOBE پوری دنیا کے گرد سارے جہان میں یہ لوگ ذکر کرتے ہیں۔ اُن کا دماغ خراب نہیں ہوتا۔ آپ کا اتنا نازک کیوں ہے؟ یعنی کوئی ایک آدمی یا دو آدمیوں یا ایک صد کی تو بات نہیں ہے

جہاں تک تعلق ہے تنفس کو غیر فطری طریقے سے لینے کا، یہ بھی ایک نئی بحث ہے۔ یعنی گھر پیدل چلنا اگر ایک فطری چیز ہے تو دوڑنا غیر فطری کیسے ہو جائے گا۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دوڑنا مشکل ہے مَیں چل تو سکتا ہوں دوڑنا مشکل ہے۔ یہ تو ایک بات ہوئی۔ یہ ہماری کمزوری یا ہماری اُس پر پریکٹس کا نہ ہونا یا ہمیں اُس کی عادت کا نہ ہونا۔ لیکن اگر چلنا ایک فطری عمل ہے تو تیز چلنا یا تیز دوڑنا غیر فطری کیسے ہو جائے گا۔ اگر سانس لینا ایک فطری عمل ہے تو تیزی سے سانس لینا مشکل تو ضرور ہو سکتا ہے۔ لیکن اُسے غیر فطری کیسے کہا جائے گا؟ غیر فطری تو یہ ہے ہی نہیں۔ یہ تو محض ایک نہ سمجھنے کی بات ہے یہ تو محض ایک کہہ دینے کی بات ہے۔ لوگ دوڑتے ہیں۔ پینتیس ۳۵ میل کی دوڑ کیا غیر فطری ہو جائے گی؟ پریکٹس کریں، ورزش کریں۔ آپ بھی شروع کر دیں۔ دو دو منٹ دوڑنا شروع کر دیں۔ پھر اُسے بڑھاتے جائیں، چار منٹ، دس منٹ آٹھ منٹ پانچ سالوں میں شاید آپ بھی پانچ گھنٹوں تک چلے جائیں۔ تو یہ ورزش کی بات ہے کوئی بھی شروع کرے۔ غیر فطری تو نہ ہوا جب غیر فطری ہے ہی نہیں تو غیر فطری کا احتمال کیسے؟ اور اگر احتمال کو لیا جائے احتمال کی بات نہیں بلکہ پیدا ہوتے ہی مرنے کا یقین ہوتا ہے احتمال نہیں ہوتا۔ احتمال تو ہر چیز کے ساتھ پانی پینے کے ساتھ احتمال ہے کہ اس سے آدمی بیمار ہو سکتا ہے۔ کھانے کے ساتھ احتمال ہے کہ اس سے مَیں بیمار ہو سکتا ہوں۔ سونے کے ساتھ احتمال ہے کہ اوپر چھت گر جائے گی۔ گاڑی پر بیٹھے احتمال ہے کہ ایکسیڈنٹ ہو جائے گا۔ ہوائی جہاز میں چڑھتے ہوئے احتمال ہے کہ یہ کریش ہو جائے گا۔ تو ان احتمال سے بڑھ کر یہ پیدا ہوتے ہوئے یقین ہے کہ مرنا ہو گا تو پھر پیدا ہونے سے لوگ رُک جائیں؟ دُنیا کا نظام چھوڑ دیا جائے؟ کہ اس میں تو موت کا یقین ہے پھر زندگی کے کام کرنے سے کیا فائدہ؟

۲۔ دوسرا سوال کہ ان کو سانس کے ساتھ ذکر کرنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ تھکاوٹ اور نیند ہوتی ہے۔ تو مَیں نے یہی جواب دیا ہے کہ یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے کہ آپ اس سے بھاگنے کے دروازے ڈھونڈ رہے ہیں۔ آپ ابھی تک اس کو فیس FACE کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہی نہیں ہیں۔ آپ ابھی تک اس سے نکلنے بھاگنے

کا راستہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ اس کی آپ کو آٹکل کیسے آئے گی۔ آپ اِس کو کرنے پہ قادر کیسے ہوں گے۔ آپ ایک کام ذہنی طور پر کرنا چاہتے ہی نہیں۔ آپ کرنا چاہیں گے تو نہیں ہو سکے گا۔ آپ پہلے یہ طے کر لیجئے کہ آپ کو یہ کام کرنا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ وہ بھی ایک دم سے نہیں ہو گا۔ انسان کوئی ایسی مشین نہیں کہ اس کا سوئچ آن آف کر دیا جائے اِسے بتدریج کسی سٹیج پہ لانا پڑتا ہے۔

۳۔ تیسرا سوال ہے کہ کیا ذکر بغیر سانس کیا جا سکتا ہے۔ اس کا تو بڑا مزے دار جواب ہے۔ مَیں نے کبھی لکھا ہے کہ سانس کے ساتھ تو ہم ذکر کرتے ہی نہیں۔ یہ تو محض آپ کی بیخ ہے۔ ہم سانس کے ساتھ ذکر تو نہیں کرتے ذکر تو قلبی ہوتا ہے۔ سانس ضرور تیزی سے لیا جاتا ہے اور اگر سانس تیزی سے نہ لیا جائے تو بھی قلب پر توجہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ ذکر قلبی ہوتا رہے گا۔ تیزی سے سانس لینے میں دو فائدے ہیں۔ ایک تو جسم کی حرارت، حدت خون تیزی کے ساتھ سانس لینے سے بڑھتی ہے۔ آپ کوئی ایسا کام کریں جس سے خون میں حدت پیدا ہو۔ آپ دوڑ لگا کر دیکھ لیں وزن اٹھا کر دیکھ لیں، جب حدت پیدا ہو گی تو لازماً تنفس، دل کی دھڑکن جو ہے اُس کا عمل تیز ہو گا۔ جب دل کا عمل تیز ہو گا تو سانس کی آمد و شد تیز ہو گی۔ تو سانس از خود تیز آنا شروع ہو گا۔ آپ تھوڑی دیر دوڑیں خود بخود تیز ہونا شروع ہو جائے گا۔ آپ سانس روکنا بھی چاہیں نہیں رُکے گی۔ تیز ہو گی۔ چونکہ سارا ایک سسٹم ہے قدرت کا بنایا ہوا۔ کہ جب خون میں حدت پیدا ہوتی ہے تو دل کا عمل اُسے تیزی سے لانے لوٹانے لگتا ہے۔ جب دل کی دھڑکن تیز ہوتی ہے تو سانس از خود تیز ہو جاتی ہے۔ تو سانس تیزی سے اِس لیے لی جاتی ہے کہ اگر خون کی حدت سانس کو تیز کرتی ہے تو سانس کو تیز کیا جائے۔ خون میں حدت پیدا ہو گی۔ یعنی وہی عمل واپس لوٹے گا۔ اور جب خون میں حدت پیدا ہوتی ہے تو وہ انوارات کو جذب کرنے کی کیفیت اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے۔ جیسے آپ ایک رنگ کو پانی میں گھول کر کپڑا ڈبو دیتے ہیں تو کپڑے پہ رنگ چڑھ تو جاتا ہے۔ لیکن اُسی رنگ کو اُس پانی میں گھول کر کڑھائی میں ڈال کر کاڑھ لیا جائے، پھر اُس میں کپڑا ڈبو دیں تو اُس پہ بھی رنگ چڑھ جاتا ہے۔ رنگ تو وہی ہے رنگت میں کوئی فرق نہ پڑا۔ جسے بغیر کاڑھے ہوئے آپ نے چڑھا لیا لے ایک دفعہ پانی میں جھول کر دیکھیں۔ کپڑا صاف ہو جائے گا، نہیں تو ڈب کھڑبا تو ہو جائے گا۔ ورنہ ایک دفعہ دھونے سے اُتر جائے گا جسے آپ نے کاڑھ کر چڑھایا ہے ساری زندگی کپڑے سے نہیں جائے گا۔ اِسی طرح بغیر تیزی سے سانس لیے آپ بیٹھ جائیں انوارات بھی پڑیں گے۔ لطیفے پہ سب کچھ ہو گا۔ لیکن جب آپ اُٹھیں گے تو اُس میں اُسی طرح جذب نہیں ہوں گے جس طرح آپ تیزی سے سانس لے کر خون میں حدت پیدا کر کے جذب کرتے ہیں۔ اِس لیے تمام طریقہ ہائے ذکر میں بطور ایک اصول کے مکمل ایک طریقے پہ صرف ہمارے ہاں ہے۔ باقیوں میں اپشنل ہے۔ کوئی چاہے کرے۔ کوئی چاہے نہ کرے۔ جو نہیں کرتے، بہت کامل اساتذہ اور مشائخ نے ایک لطیفے کے لیے کم از کم ایک سال عرصہ رکھا ہے۔ تیزی سے سانس نہ لے۔ آرام سے بیٹھ کر قلب پر توجہ کرنے شیخ کی مجلس میں رہے۔ دو سال صحبت شیخ میں رہ کر صبح شام توجہ لے کر دو سال میں ایک لطیفہ اور وہ بھی کامل مشائخ سے جو بہت اولوالعزم ہوئے ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ ساتھی ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے شیخ سے چودہ سال میں پانچ لطیفے سیکھے۔ چودہ برس میں پانچویں لطیفے پر سبق تھا کہ شیخ فوت ہو گیا تو شاید ایک دو سال اور انہیں پانچویں لطیفے پہ لگتے۔ بہرحال چودہ برس مسلسل شیخ کے ساتھ رہ کر پانچویں لطیفے تک پہنچا۔ تو سانس تیزی سے نہ بھی لیا جائے تو وہ مقصد تو حل ہو جاتا ہے لیکن چونکہ وہ قوتِ جاذبہ جو ہے وہ قلب میں اور وجود انسانی میں وہ اُس درجے کام نہیں کرتی تو پھر اتنا جو پریڈ ہے یا وقفہ ہے بڑھ جاتا ہے اور اِس طرح ذکر کرنے سے چونکہ خون میں حدت پیدا ہوتی ہے۔ قلب میں اور خون کی حدت میں قوتِ جاذبہ بڑھ جاتی ہے۔ انوارات کو جذب کرنے کی۔ اِس سے یہ ہوتا ہے کہ ایک توجہ میں سات لطائف روشن ہو جاتے ہیں۔ یہ معمولی سا فرق ہے۔ آرام سے ذکر کرنے

ہیں اور تیزی سے سانس لینے میں۔

اب اس کے ساتھ انہوں نے ایک اور پخ لگائی کہ سانس کے ساتھ ذکر کرنے کی کوئی سند قرآن وحدیث سے درکار ہے میں نے انہیں لکھا ہے کہ قرآن اور حدیث میں موجود ہو گا۔ جہاں حج کا حکم ہے اگر اس کے ذرائع اختیار کرنے کی تفصیل قرآن میں ہو گی وہاں ذکر کے طریقے سارے لکھے ہوں گے۔ اگر قرآن میں یہ لکھا ہے کہ اُس دور میں لوگ اونٹوں پر جاتے تھے۔ اِس دور میں آپ جہاز پر جائیں۔ اجازت ہے۔ وہاں ذکر کا یہ طریقہ بھی لکھا ہو گا۔ کیسی عجیب بات ہے کیسی بے تکی بات ہے۔ کون سے ذرائع قرآن حکیم میں وضو کا حکم ہے۔ نماز کے لیے وضو کے لیے کنویں کھودنے کا یا نالکا لگانے کا حکم کہاں ہے؟ دریا سے پانی لینے کا یا نہر سے پانی لینے کا حکم کہاں ہے قرآن وحدیث میں؟

مقاصد ہیں، ذرائع نہیں ہیں۔ ذرائع کے لیے ایک ہی قید ہے کہ کوئی غیر شرعی کام اُس بہانے نہ ہو۔ مجھے نماز پڑھنی ہے تو کسی کا گلا کاٹ کر خون سے وضو نہ کرے۔ ایک پیاسا مر رہا ہے اُس سے پانی چھین لیں۔ نہیں۔ آپ کے پاس نہیں ہے پانی تیمم کر لیں۔ اس سے نہ چھینو۔ پیاسا نہیں رہنا چاہتا اس کا حق ہے وہ نہ دے آپ کو۔ لیکن ان چیزوں پر قیود شرعی حلت وحرمت جائز وناجائز کی تو وارد ہوتی ہیں۔ کوئی مخصوص طریقہ ذرائع کا قرآن وحدیث میں زیر بحث نہیں آتا۔ قرآن وحدیث میں مقاصد آتے ہیں۔ مسجد بنانا مقصد ہے۔ اُس کے لیے پتھروں کی ہو گی اینٹوں کی ہو گی چونا لگے گا نہیں لگے گا۔ اُسے آپ سیمنٹ سے بنائیں گے، گارے سے بنائیں گے اُس پر لکڑی کا چھت ڈالیں گے لوہے کا ڈالیں گے۔ اب کوئی آدمی کہے کہ لنٹر کی سند قرآن وحدیث سے لو یہ تو بچوں کی سی بات ہے۔ قرآن نے تو بڑا سمپل بڑا سادہ کہا ہے اور بار بار کہا ہے کہ

وَ ذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ زندگی میں جتنے کام تم کرتے ہو اُن میں سب سے زیادہ کثرت سے جو کام کرو، وہ ذکرِ الٰہی ہے۔ سوتے ہوئے کرو، بیٹھے ہوئے کرو، لیٹے ہوئے کرو، کھڑے ہو کرو، چلتے ہوئے کرو، ہر حال میں کرو۔ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔ قرآن نے پابندی نہیں لگائی کہ کوئی تیزی سے سانس لے رہا ہے کوئی آہستہ لے رہا ہے بلکہ قلب سے ذکر کرنے کو افضل قرار دیا ہے۔ ضروری قرار دیا ہے۔ فرمایا ہے:

وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا۔

جس کا دل ذکر سے غافل کر دیا گیا اُس پر اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر فرمایا من اغفلنا قلبہ ذکرنا۔ جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا گویا یہ گناہ کی، کسی جرم کی، کسی کوتاہی کی سزا ہے کہ قلب کو کسی ذکر کی توفیق نہ ہو اور ساتھ ارشاد فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ اُس کی بات کو یہ کاہ وقعت نہ دی جائے۔ اُس کی پرواہ نہ کی جائے وہ اتنا آدمی ہوتا تو ہم اُس کے دل سے اپنی یاد کیوں نکال لیتے۔ یہ اِس قابل ہی نہیں کہ اس کی بات سُنی جائے۔ اب وہ قلب کیسے ذاکر ہو گا۔ اس میں آپ کھڑے ہو کر ذکر کریں تو ذاکر ہو گا۔ بیٹھ کر کریں گے یا لیٹ کر یہ تو اپنے اُس استاد کے کام ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث تو ارشاد فرمائی لیکن عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بخاری شریف تو نہیں تھی۔ اب اگر بخاری ومسلم خود ان کتابوں کی سند چاہیے تو وہ کہاں سے آئے گی۔ اب یہ جو مروجہ ہمارے دینی مدارس ہیں جو قرآن وحدیث پڑھاتے ہیں۔ ان کی کوئی سند تلاش کریں تو حیاتِ نبوی میں تو کوئی مدرسہ اِس طرح کا مروجہ نہیں ملتا۔ ایک استاد صرف ونحو پڑھاتا ہے۔ ایک استاد حدیث پڑھاتا ہے ایک استاد تفسیر پڑھاتا ہے۔ ایک استاد حفظ کراتا ہے۔ اتنے کوئی شعبے نہیں ملتے۔ ایک ہی استاد ہے ایک ہی سکول ہے، ایک ہی مدرسہ ایک ہی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ایک ہی وہی استاد صلی اللہ علیہ

وسلم ہیں۔ وہیں جنگ کی تربیت بھی ہو رہی ہے۔ فوجوں کی بھی ہو رہی ہے، پڑھایا بھی جا رہا ہے۔ قرآن بھی آرہا ہے، حدیث بھی ہو رہی ہے۔ سب کچھ ایک ہی جگہ ہو رہا ہے تو آپ نے کیوں الگ الگ مدرسے اور اہتمام کیا ہے۔ اِس کی سند کہاں ہے؟ یہ ذرائع ہیں۔ ذرائع کے لیے سند کی ضرورت نہیں۔ اِس کے لیے جواز کافی ہے کہ وہ کام شرعاً جائز ہو، ناجائز نہ ہو۔ سند کی ضرورت مقاصد کے لیے ہے۔ مقصد کو ذریعے سے الگ کرنا چاہئے۔ حج کرنا مقصد ہے جس پر فرض ہے اُسے کرنا ہے۔ اب کوئی گھوڑے پر جاتا ہے، اونٹ پر جاتا ہے، گاڑی پر جاتا ہے، جہاز پر جاتا ہے اِس سے قرآن کو غرض نہیں ہے۔ نہ اس کا جہاز پر جانے سے ثواب بڑھ جائے گا۔ نہ گھوڑے پہ جانے سے کم ہو جائے گا۔ نہ پیدل جانے سے زیادہ ہوگا۔ نہ بیٹھ کر جانے سے کم ہوگا۔ یہ تو جہالت کی باتیں ہیں۔ یہ کوئی عقل کی بات نہیں ہے۔ اللہ کریم نئے نئے اسباب و ذرائع دیتا ہے۔

خلق لکم ما فی الارض جمیعاً۔ سب کچھ روئے زمین پر تمہارے استعمال کے لیے، تمہاری خاطر ہے۔ اُس سے فائدہ اٹھاؤ۔ صرف اُس کے استعمال میں حدود شرعی میں جواز یا عدمِ جواز حلال یا حرام کا خیال کرو۔

۴۔ چوتھے سوال میں پھر انہوں نے وہی عجیب بات دہرائی کہ دلائل السلوک میں یہ تو ملتا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تھی آپ کا سانس تیزی سے چلنے لگتا۔ لیکن اِس میں ذکر کا ذکر کوئی نہیں ملا، وحی کے نزول میں بھی، وحی کے آنے میں بھی اُس کے ساتھ تجلیات باری ہوتی تھیں۔ کلام باری ہوتا تھا تو تجلیاتِ باری جب قلبِ اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آتی تھیں تو وہاں بھی خون میں حدت پیدا کرتی تھیں۔ وہاں بھی قلب اطہر کی حرکت تیز ہوتی تھی۔ وہاں بھی سانس تیزی سے چلنے لگتا تھا تو کسی نے کہا تھا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں۔

؎ اے روشنی طبع تو من بلا شدی

ایک کتاب کسی نے لکھی حیاتِ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ [illegible] میں ساری بحث سمیٹتے ہوئے انہوں نے لکھا کہ جو لوگ اُن پر اعتر[illegible] کرتے ہیں۔ اُن کا قصور نہیں، جو ارشادات اور ان کی جو [illegible] ہے اِن مسائل کو سمجھنے کی، وہ اتنی بلند ہے کہ سطحی آدمی اس بات [illegible] ہی نہیں سکتا اور ان کی مصیبت یہ ہے۔ ان کی باتیں اتنی بلند [illegible] ہیں کہ عام آدمی اِن کے خلاف فتوے دینے لگ جاتا ہے تو آخر [illegible] مصرعہ جو انہوں نے نقل کیا۔ اُس میں حیاتِ ابوحنیفہ میں انہوں [illegible] آخری مصرعہ کسی کا لکھا کہ ؎ اے روشنی طبع تو من بلا شدی۔

یہی بات میں نے انہیں لکھی ہے کہ حضرت کا یہ ارشاد اتنا [illegible] اتنی مضبوط دلیل تھی اور آپ کو ویسی ہی نظر نہیں آئی۔ عجیب بات [illegible] یہ اپنی نگاہ کی وسعت کی بات ہے۔ کوئی کہاں تک دیکھتا ہے اس [illegible] ہمارا قصور تو نہیں ہے۔ عینک لگوائیے۔ کسی کے پاس بیٹھئے۔ ان [illegible] سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ کیسے اِن کی سمجھ آئے گی کہ یہ بات واقعی ایسی ہے۔

جب کسی نئی آیت کا نزول ہوتا تھا تو پھر وہی کیفیت وار[illegible] ہو جاتی تھی جو ہر وقت منبع نور ہیں۔ ہر وقت مہبط تجلیات ہے ہمہ وقت اللہ کی تجلیات کا مرکز ہے۔ پھر کوئی نئی آیت آتی تھی تو سارا حال پھر لوٹ آتا تھا۔ خون میں حدت پیدا ہوتی تھی۔ قلبِ اطہر کا عمل تیز ہوتا تھا وہ تیزی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل تنفس سے ظاہر ہوتی تھی۔ سانس مبارک تیز ہو جاتی تھی۔ تو اب اس قاعدے کو اساتذہ نے اُلٹا کر دیا سانس تیزی سے لو۔ سانس تیزی سے لینے سے قلب تیزی سے حرکت کرے گا۔ جب تیزی سے حرکت کرے گا۔ خون میں حدت پیدا ہوگی اور خون کی حدت اُن انوارات کے ساتھ ربط پیدا کرے گی جو شیخ کی توجہ سے قلب پر پڑ رہے ہیں اور قلب انہیں زیادہ سے زیادہ جذب کرے گا۔ اب یہ کتنا فاصلہ ہے کہ آپ اِس طرح نہیں کرتے آرام سے بیٹھے رہتے ہیں۔ تو آپ کو سات لطائف کے لیے چودہ سال درکار ہیں۔ آپ محنت اس طرح سے کرتے ہیں تو ایک توجہ میں سات لطائف روشن ہو جاتے ہیں تو کتنا فرق ہے۔ پھر شرعاً کہاں منع ہے کہ سانس آرام سے لے سکتے

ہو تیزی سے نہ لو۔

یہ سارے اسباب و ذرائع ہیں اور جس قدر مستند کام اور جس قدر مدلل کام صوفیا نے اور مشائخ حضرات نے کئے ہیں اتنی احتیاط علمائے ظواہر کر ہی نہیں سکتے۔ علمائے ظواہر کے پاس ایک ذریعہ اور ایک سورس ہوتا ہے۔ وہ ہوتا ہے نقلی اور کتابی، صوفیا کے پاس دو ذریعے ہوتے ہیں۔ نقلی اور کتابی بھی اور کیفی بھی۔ یہ جہاں سے سنت کے خلاف قدم اٹھاتے ہیں۔ ان لوگوں کے قلوب رک جاتے ہیں۔ ان کے دل رک جاتے ہیں۔ ان کے حالات رک جاتے ہیں۔ ان کی کیفیات متاثر ہوتی ہیں اور یہ فوراً وہاں رک جاتے ہیں کہ بات صحیح نہیں ہے اور کتنی ایسی باتیں آپ کو صوفیا کی تحریروں میں ملتی ہیں جنہیں علمائے ظواہر جائز کہتے ہیں اور صوفی درست نہیں سمجھتے۔ ایسی حدیثیں ملتی ہیں جن کی سندیں جو ہیں وہ نہیں پکڑی جاتیں۔ لیکن صوفیا نے کہہ دیا۔ ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوارات نہیں ہیں۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ ایسی احادیث ملتی ہیں۔

بلکہ ان کا دوسرا ذریعہ جو ہے حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کسی صوفی کا قول نقل فرمایا کرتے تھے۔ ان اعتراضات کے جواب میں کہ انہوں نے فرمایا کہ دیکھو تم نے جبرائیلؑ سے نہیں پڑھا۔ تم نے اساتذہ سے انسانوں سے، بنی آدم سے پڑھا اور وہ کتابیں، وہ نصاب ہم نے بھی تمہارے ساتھ اساتذہ سے پڑھا۔ اس میں تو ہم اور تم برابر ہیں۔ اس کے بعد ہم نے علوم حاصل کیے۔ براہ راست ذاتِ باری سے اور تم ابھی تک اُسے سوچ اور سمجھ نہیں سکے۔ تم ابھی تک اس پر اعتراض کر رہے ہو۔ تم ابھی تک اُس کے جواز عدم جواز کے چکر میں پھنسے ہو۔ تم ابھی تک اُس راستے کو پہچان ہی نہیں سکے۔ تم خود انصاف کرلو۔ ہماری اور تمہاری بات کے وزن میں کتنا فرق ہوگا خصوصاً یہ جو دوسرا ذریعہ صوفیا کا کیفیات کا ہوتا ہے کہ ہر خلافِ سنت کام کو اُن کا قلب محسوس کرتا ہے۔ قلبی کیفیات میں کمی ہوتی ہے۔ انوارات میں کمی ہوتی ہے دھچکا لگتا ہے اُن کو۔ اور یہ لوگ ایسے عجیب ہو جاتے ہیں کہ اُن کے باطن نہیں اُن کے ظواہر متاثر ہوتے ہیں۔ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو مکروہ کھانا کھا لینے سے بیمار پڑ جاتے ہیں۔ ہم تو نہیں ہمیں تو کچھ نہیں ہوتا۔ حرام یہ بھی ہو شرعاً حلال ہوتا ہے۔ بعض اوقات، اور پکانے والا جو ہوتا ہے وہ ایسا آدمی ہوتا ہے کہ اُس کے مزاج کے اثرات اُس پر پڑتے ہیں۔ کوئی شرعی حرمت نہیں ہے۔ مطلق انسان کا جھوٹا شرعاً پاک ہے۔ خواہ وہ کافر ہے۔ اُس کے جھوٹا ہونے سے کھانا ناپاک نہیں ہوگا۔ لیکن صوفیا کو ہم نے دیکھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ کا کھانا کھا کر فزیکلی ظاہری طور پر ان کا وجود اُس سے بیمار پڑ جاتا ہے۔ تو کیا وہ لوگ حصول سنت یا اتباعِ سنت کے معاملے میں سند نہیں رکھتے ہوں گے۔ بلکہ ہمارا جو تجربہ، ہماری زندگی کا جو حاصل ہے وہ تو یہ ہے کہ سب سے اچھی سند ہی کام کی یہ ہے کہ اس کام کو صوفی بھی کرتے ہیں۔ ہاں شرط یہ ہے کہ وہ صوفی ہوں، نقال نہ ہوں۔

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا تھا کہ حضرت مولوی چور ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں یہ نہ کہو۔ چوروں نے داڑھیاں رکھ لی ہیں تو آپ نے انہیں بھی مولوی کہنا شروع کر دیا۔ خود ہی مولویوں کو بدنام کرتے ہو۔ مولوی تو مولوی ہے۔ صوفی تو صوفی ہے۔ اگر کسی نقال نے دنیا کمانے کے لیے یا حُبِ جاہ کے لیے تصوف کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے تو اُس کو لے کر آپ اہلِ حق پر طنز نہ کریں۔ یہ درست نہیں ہے۔ یہ صحیح نہیں لیکن واقعی جنہوں نے اس کام میں عمریں بسر کی ہیں۔ جن کی زندگیاں بیت گئیں، جنہوں نے ساری دنیا کی نعمتیں ایک کام پر قربان کر دیں۔ اُن سے یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی۔ یہ جو فیلنگز اور احساسات ہونے کے باوجود وہ بغیر سند کے کام کرتے ہوں۔

مَیں نے اُنہیں تو لکھ دیا تھا اُس کا جو سرسری سا جواب انہیں دیا تھا آپ کو بھی سنا دیا گیا۔ ایسے سوالات تو اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ بات کرنا پڑتی ہے تو یہ یاد رکھیے ذکر تو ہوتا ہے دل سے، توجہ کی جاتی ہے دل پر کہ ہر دھڑکن میں دل اللہ ہُو کرے۔ سانس تیزی سے لی جاتی ہے تو یہ سانس کے ساتھ اس لیے مرتکز کی جاتی ہے کہ خیالات نہ بھٹکیں، بلکہ جو

سوچ ہے ذہن کی اِسے آپ آزاد نہ چھوڑیں بلکہ سانس کے ساتھ لگا دیں۔ کر وہ دل کی دھڑکن کے ساتھ کوآرڈی نیٹ کر لے تاکہ توجہ جو ہے دائیں بائیں نہ جائے۔ آپ اِس طرح نہیں کریں گے تو دماغ کچھ اور سوچنے لگ جائے گا۔ پھر تیزی سے سانس لینے سے خون میں حدت پیدا ہوتی ہے۔ وہ حدت جاذب انوارات ہوتی ہے۔

سوال:۔ حضرت کا لفظ کب اور کس کے لیے استعمال کیا جاتا ہے؟

جواب:۔ یہ ایک لغوی اصطلاح ہے اور ہر اُس آدمی کے لیے اس کا استعمال اہلِ زبان نے شروع کیا جس کی کچھ اہمیت ہو۔ جس کے پاس کچھ لوگ حاضر ہوتے ہوں۔ عام آدمی کے لیے نہیں۔ حاضر کیا گیا لیکن اِس سے حاضر اِس آدمی کا ہونا مراد نہیں ہے۔ بلکہ اہلِ لغت کے نزدیک آدمی کو حضور یا حضرت کہتے ہیں جس کے پاس جانے والے مؤدب ہو کر اُس کی بات سنتے ہوں اور اُسے ایک خاص احترام دیتے ہوں۔ وہ حاکم ہے یا وہ استاد ہے یا وہ شیخ ہے۔ اُس کے پاس کوئی ایسی اہمیت ہے۔ دوسرے بھی اُس کے پاس جاتے ہیں۔ ایک خاص احترام دیتے ہوں۔ تو اُن کی اِس حاضری یا اُس رویے سے حضرت کا یا حضور کا لفظ جو ہے وہ ہے۔

یہ لفظ زیادہ اردو میں استعمال ہوتا ہے۔ عرب میں استعمال ہوتا ہے آنے جانے کے معنے میں حَضَرَ فُلانٌ فلاں فلاں کے پاس حاضر ہوا۔ جس طرح ادب اور احترام کے معنی میں اُردو میں استعمال ہوتا ہے۔ اُسی معنوں میں عربی میں استعمال نہیں ہوتا عربی میں عام آنے جانے میں، حاضر ہونے میں استعمال ہوتا ہے۔ اُردو کا لفظ ہے۔ اردو ایک ایسی زبان ہے جو مختلف زبانوں کا مجموعہ ہے عربی فارسی، ہندی چونکہ اردو کا معنیٰ ہی لشکر ہے۔ مختلف فوجیں تھیں اُن کے ملنے سے اہلِ لشکر کی جو ایک زبان ترتیب پا گئی اُس میں متعدد زبانوں کا دخل تھا۔ اُردو جب سے خود بنی تو اردو میں مختلف الفاظ بنے۔ استعمال تو اس کی لغت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ لغت میں تو کوئی برائی نہیں۔ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں۔ یہ تو ہر اُس ہستی کے لیے جس کا احترام کیا جائے۔ اُردو میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اب اُس کا اگر کوئی غلط معنی لیتا ہے۔ اُس کا اعتبار نہیں۔ اعتبار اُس معنے کا ہوگا جو اہلِ لغت نے متعین کیے ہیں۔ اگر کوئی حاضر کا معنیٰ کرتا ہے تو نری جہالت ہے۔ زبان سے واقف نہیں اگر زبان سے واقف ہو تو غلط مراد نہیں سمجھتا تو جاہل کا کیا اعتبار۔

سوال:۔ سلسلہ میں کشف والے بہت ساتھی ہیں۔ پاکستان کا جہاز گم ہوگیا۔ کسی کشف والے نے نہیں بتایا۔

جواب:۔ کشف والوں کی ذمہ داری نہیں تھی۔ یہ تو حکومت کی ذمہ داری ہے۔ پتہ تو حکمرانوں کو تھا۔ یہ لوگوں سے جھوٹ بولتے ہیں پتہ تو حکومت والوں کو تھا کہ جہاز کہاں ہے۔ کوئی مکھی، مچھر تو تھا نہیں، جہاز تھا۔ پتہ تو ان کو بھی تھا۔ یہ تو محض انہوں نے اِس کا ایک سیاسی سٹنٹ بنا لیا۔

جو کشف اور مشاہدہ نصیب ہوتا ہے ذکر سے۔ یہ مقصود نہیں ہوتا۔ کشف ہو یا نہ ہو۔ مقصود وہ کیفیت ہے جو گناہ سے بچائے اور نیکی کا ایک جذبہ دل میں مضبوط کرتی چلی جائے۔ تو شیخ کا یہ بتا دینا کہ تمہارے مراقبات فلاں جگہ تک ہیں۔ اِس بات کی دلیل ہے کہ کشف میں آدمی کو غلطی لگ سکتی ہے لیکن شیخ کے بتانے میں غلطی کا امکان اُس کے اپنے مشاہدے سے کم ہوتا ہے۔ دراصل یہ کشف ہوتا ہی دین کی تفہیم اور سمجھ کے لیے ہے۔ آپ کسی صاحبِ کشف سے بات کریں گے تو وہ آپ کی بات کو بہت جلدی سمجھ لے گا نسبت دوسرے آدمی کے۔ یا جو سوال آپ کریں گے اس کا جواب وہ دوسرے کی نسبت زیادہ اچھی طرح دے سکے گا۔ کہ اُس کا قلب حقائق کو قبول کرتا ہے۔ اس میں وہ لطافت اور نزاکت ہے۔ دنیوی امور میں اہلِ کشف کا اپنا نقصان ہوتا رہتا ہے۔ بعض اوقات۔ اور اُس طرف توجہ نہیں جاتی۔ اگر اللہ دکھائے۔

کشف کا حال یہ ہوتا ہے۔ فرمایا وکذٰلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوات والارض۔ ایک لمحے میں ارض و سما کی ساری حکومت اور کائنات کھول کے رکھ دیں۔ لیکن وہی ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کا چھوٹا سا بیٹا ہے اسمٰعیل علیہ السلام وہ بھی نبی ہے نہ اُسے

بتایا کہ تمھیں ذبح نہیں ہونا۔ نہ ابراہیم علیہ السلام کو چھری چلنے تک پتہ چلنے دیا۔ کہ یہ بچ جائے گا۔ کشف میں پتہ چلنا چاہیے تھا۔ لیکن اللہ نے نہیں چلنے دیا۔ اور اگر پتہ ہوتا اگر یہ مانا جائے کہ آپ کو پتہ تھا۔ آپ کسی باپ کو بھی کہیں کہ تیرا بیٹا ذبح نہیں کرنا۔ چھری لے کر اس کی گردن پر رکھو، پھر دُنبہ ذبح کریں گے۔ یہ کوئی کر دے گا؟ پھر اسمٰعیل علیہ السلام کی تخصیص کیا ہے؟

تو اس اعتبار سے کشف جو ہوتا ہے اس کا معنی ہی ہے پردے کو ہٹانا۔ وہ ہٹانا اللہ کریم کے ہاتھ میں رہتا ہے وہ چاہے تو بہت دُور کی بات سمجھ میں آجائے نہ چاہے تو قریب کی بھی نہ آئے۔

مجھے نام یاد نہیں آرہا۔ ولی اللہ تھے بہت معروف ہے نام اُن کا۔ (مجھ میں یہ نقص ہے کتابوں کا اور افراد کے نام بھول جاتا ہوں) حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان کا واقعہ ایک دن مجلس میں بیٹھے سنانے لگے۔ بڑی خوش مزاجی سے فرمانے لگے اس کشف کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ ولی اپنے بالاخانے پر بیٹھے تھے۔ رات کو کہنے لگے دوستوں سے "دیکھو یار کہ کچھ مسافر آرہے فلاں جنگل میں۔ ڈاکوؤں نے انہیں لوٹ لیا، قتل کر دیا، مال لوٹ کر بڑا ظلم کیا"۔ بات درست تھی۔ شور ہوا کہ وہاں لاشیں پڑی ہیں۔ کوئی قافلہ لوٹا گیا ہے۔ لیکن اُسی رات اُن کا اپنا لڑکا جو بدکردار تھا کسی نے قتل کر دیا۔ اس کا سر کاٹ کر ان کی ڈیوڑھی کے اندر پھینک دیا۔ صبح جب بیوی اٹھی تو اس نے دیکھا تو انہیں بڑی گالیاں دینے لگی۔ کہ تیری ایسی تیسی۔ تیری دیکھ لی فقیری۔ لوگوں کے ڈاکوؤں کا ذکر کرتا رہا۔ میرا بیٹا مارا جائے۔ تیری آنکھ بند رہی۔ تو نے دیکھ کر مجھے نہیں بتایا کہ بیٹا مارا جائے گا۔ ادھر تیرا کشف کہاں گیا۔ یہ اس طرح ہوتا رہتا ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ ویسے اللہ کریم اگر بتا دیں تو کوئی شے عجیب نہیں ہوتا

اس میں بڑے بڑے عجیب واقعات ہوتے ہیں۔ ہمارے یہاں ایک قاعدہ تھا۔ لوگ گپیں مارتے ہیں۔ قبرستان میں۔ لوگ اب بھی گپیں مارتے ہیں قبرستان میں۔ دفن کرتے میں کوئی آدھا گھنٹہ بیس منٹ دیر لگے تو میں اگر کسی جنازے میں ہوتا تو میں وہ بیان کرتا رہتا۔ آدھا گھنٹہ بیس منٹ چلو کچھ آخرت کے بارے کچھ برزخ کے بارے کچھ موت کی کیفیت تو بجائے گپیں لگانے کے پانچ چار آدمی اگر قبر بنا رہے ہیں تو جو باقی ہیں وہ بات سُن لیتے۔ لوگ سنتے بھی تھے۔ پرانے ساتھی تھے۔ بابا رمضان اللہ انہیں غریق رحمت کرے۔ وہ باقی تھے۔ اُس جنازے میں قبرستان میں کوئی آدھا گھنٹہ میں بیان کرتا رہا۔ زیادہ کرتا رہا۔ غالباً کوئی زیادہ دیر لگی قبر کے بننے میں تو ہم آئے تو راستے میں ایک قبر تھی واپس آرہے تھے تو اُس بابا جی کے کچھ مشاہدات تھے تو اُس کے ساتھ کچھ ساتھی تھے۔ ساتھی کہہ دیتے تو رہتے ہیں کہ اس قبر میں کیا ہے اس میں کون ہے تو مجھے زیادہ سمجھ تو نہ آئی لیکن میں نے انہیں سنا کہ وہ بابا انہیں کہہ رہا ہے یہ کوئی ملنگ ہے۔ ملنگ ہمارے عرف میں شیعہ کو کہتے ہیں۔ انہیں کہتے ہیں۔ اُن کی بات سُن کر میں نے کہا یہ ملنگ تو نہیں ہے۔ یہ تو نجات میں نظر آتا ہے۔ یہ ملنگ کیسے ہے کہنے لگا۔ ملنگ سے میری مراد فقیر سا آدمی ہے۔ وہ والا ملنگ مراد نہیں تھا۔ میں نے کہا "یار اس کا تو سینہ بھی منور نظر آتا ہے۔ اس سے پوچھیں تو سہی یہ تو اچھا بھلا آدمی نظر آتا ہے۔ یہاں سے گزرتے ہیں پوچھا نہیں کبھی" پھر بابا جی بھی لگ گئے کہنے لگے "ٹھیک ہے اس کا تو دل روشن ہے۔ اس نے انوار کہاں سے پائے؟"

تو اس نے کہا "میرا شیخ یہ ساتھ والے قبرستان میں ہے۔ ان کی خدمت میں رہ کر میں نے یہ لطیفۂ قلب روشن کیا۔ ساری عمر اس قلب پر رہا۔ کہ میرا وصال ہو گیا"۔ "باباجی اُن کا پتہ کریں کون ہیں"۔ معلوم ہوا کہ وہ بہت نیک آدمی اور سالک امجذوبی کی آخری منازل تک اُن کے مراقبات تھے اور مزے کی بات یہ ہے جہاں میں کھڑا رہا تھا۔ اُن قدموں کے نیچے وہ دفن ہیں۔ پتہ نہیں کس زمانے کی وہ قبر اوپر تو کوئی نشان نہیں تھا۔ لیکن عین اُسی جگہ پر جہاں میں کھڑا رہا۔ کوئی پتہ نہیں وہاں سے میل دور سے بات کی تو پتہ چلا وہاں تو وہ بزرگ ہیں۔ تو وہاں کھڑے ہوئے کوئی سمجھ نہیں آئی۔ میں نے کہا "یار اگر مجھے سمجھ نہیں آئی تھی آپ ہی بتا دیتے۔" "جی میں تو کوشش کرتا رہا۔ آپ نے اس طرف توجہ نہیں کی"۔ "مجھے بالکل پتہ نہیں۔ حالانکہ میں بالکل اوپر کھڑا رہا۔ یہ تو اللہ کی اپنی شان ہے۔ اُس

کے اس وسیع کائنات میں پتہ نہیں کتنے کتنے راز کہاں کہاں دفن ہیں۔ ہر ایک کو تو کوئی نہیں جان سکتا۔

تو کشف کی اصل دین کی سمجھ کے لیے، اس پہچان کے لیے کہ گناہ کرنے سے کیا نقصان ہوا۔ وہ کیفیات محسوس ہو جائیں۔ نیکی کرنے سے کیا لطف آتا ہے وہ ایک شعور ایک ادراک ایک احساس پیدا ہو جاتا ہے اور اگر یہ نہ ہو تو آدمی نرے وعدوں پہ رہتا ہے کبھی ان کو مانتے کرجی کرتا ہے کبھی نہیں کرتا۔ آدمی گو مگو کی کیفیت میں رہتا ہے کہ جی علماء کہتے ہیں۔ ثواب ہوگا۔ پتہ نہیں ہوگا کبھی کہ نہیں تو اس گو مگو سے یہ مشاہدہ آدمی کو آگے لے جاتا ہے۔

سوال :۔ کیا کسی غیر مسلم ادارے میں کام کرنا جائز ہے؟

جواب :۔ کام کرنا کسی بھی جگہ اور اس کی اجرت لینا اس حد تک جائز ہے کہ آپ کے اس کام کرنے سے دین کے خلاف جو تحریک ہے اور دین کے خلاف جو عمل ہے اس میں تقویت پیدا نہ ہو۔ کام آپ کافر کے ہاں بھی کر سکتے ہیں۔ مزدوری یہودی کے ہاں بھی کر سکتے ہیں۔ بدترین انسان کے ہاں بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن ایسی مزدوری جس کے کرنے سے اس کا دنیوی فائدہ ہوتا ہے، ہوتا رہے۔ آپ کو اجرت ملتی ہے ملتی رہے۔ لیکن دین کے خلاف وہ کوشش استعمال نہ ہو۔ جہاں یہ احتمال آجائے گا آپ کے کام سے قوت حاصل کر کے اگلا دین کے خلاف اسے استعمال کرے گا تو وہ کام کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسے یہ آپ نے لکھا۔ کوئی ساتھی شیعہ کے اس ادارے میں کام کرتا ہے کتابوں کی پروف ریڈنگ کرتا ہے تو اس کی ایسی کتابیں تو لوگوں کو گمراہ کریں گی۔ اس کا جواز تو نہیں ہے۔

پروفیسر حافظ عبدالرّزاق

کی اسلامی طرزِ نظام پر انقلابی تصنیف

اِسلام اور جمہُوریّت ——— قیمت : ۵ روپے علاوہ ڈاک خرچ

اِسلامی نظام ——— قیمت : ۱۰ روپے علاوہ ڈاک خرچ

اویسیہ پبلشرز : اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

اویسیّہ کُتب خانہ : الوہاب مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار۔ لاہور

تعداد ازواج

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝ فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ط سورۃ النسآء ۔ ایک پہلو جس سے غیر مسلم معاشرے کو بہت بڑا اعتراض ہوتا ہے اور وہ اعتراض اتنا شدید ہے کہ وہ مسلم معاشرے میں بھی سرایت کر گیا ہے اور وہ ہے کہ اسلام میں بیک وقت متعدد بیویوں کے رکھنے کی اجازت ہے یا چار خواتین سے نکاح کرنے کی اجازت ہے اس پر نہ صرف اہلِ مغرب کو اعتراض ہے بلکہ مشرقی کافر اقوام بھی مثلاً ہندو وغیرہ انہیں بھی اعتراض ہے اور ان دونوں کے اعتراض نے مل کر ہمارے موجودہ کمزور مسلمان معاشرے کو بھی اس لپیٹ میں لے لیا ہے ۔ اسی طرح نکاح کے معاملے میں کوئی خاتون بیوہ ہو جاتے، کسی کا شوہر فوت ہو جائے یا کسی میاں بیوی میں ناچاقی ہو جاتے علیحدگی ہو جائے تو اُس دوبارہ نکاح کو بھی ایک طعنہ یا ایک عیب تصور کیا جا رہا ہے جو خالصتاً ہندو معاشرے کی ایک رسم ہے ۔ اسلام میں متعدد بیویوں کی اجازت کیوں ہے اگر ہے تو اُس میں کیا معقولیت ہے ؟

ہم لوگ جو متعدد شادیاں کرتے ہیں ہم خود بھی بھول جاتے ہیں اور جو اعتراض کرتے ہیں وہ بھی نظر انداز کر جاتے ہیں کہ قرآنِ حکیم نے ایک مختصر اور چھوٹی سی قید لگائی ہے اور وہ ایسی قید ہے کہ دو بیویوں کا بیک وقت جمع نہ کرنا ہی بہتر نظر آتا ہے ہر مسلمان کو، اگر اُسے شریعت مطہرہ پہ عمل کرنا ہو ۔ فرمایا :

فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ اگر تمہیں پسند ہوں تو دو خواتین کے ساتھ شادی کرو تین سے کرو چار سے بیک وقت نکاح کر لو لیکن فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً ۔ اگر تم عدل نہ کر سکو تو ایک سے زیادہ نکاح نہ کرو ۔ یہ وہ جملہ ہے جو ہر معترض کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے ۔ اب بیویوں میں جب عدل کی بات آئے گی تو وہ یہ صورت اختیار کرے گی کہ اگر کسی کی دو یا تین یا چار بیویاں ہیں تو اُن چاروں کے ساتھ معاملات یکساں ہوں ۔ چاروں کے پاس ایک طرح کے گھر ہوں ۔ اگر اُس کے گھر میں گاڑیاں ہیں تو پھر چاروں کے پاس ایک ایک گاڑی ہو اگر وہ صاحب جائیداد ہے تو اُس میں سے اُن چاروں کو یا تینوں کو یا دو کو برابر حصہ ملے ۔ اگر اگر وہ حج کرتا ہے اور ایک بیوی کو کراتا ہے تو دوسری کو کرانا ہوگا ۔ اسی طرح نان و نفقہ میں ۔ اگر ایک کو کھانے پینے کیلئے آزادی سے ملتا ہے تو اسی نسبت سے دوسری کو یا تیسری کو یا تینوں کو دینا ہوگا ۔ اگر ایک کے ساتھ بات کرتے ہوئے اُس کا لحاظ کرتا ہے اس کا احترام کرتا ہے ۔ تو اتنا ہی حق دوسری کا ہوگا، تیسری کا بھی ہوگا ۔ اگر ایک کے والدین اور اُس کے خاندان اور اُس کے متعلقہ لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں ۔ وہ اُن کی عزت کرتا ہے ۔ ان سے محبت کرتا ہے ۔ تو دوسری، تیسری اور چوتھی کے متعلقین کو بھی وہ سارا حق حاصل ہوگا ۔ ایک بیوی سے جو اولاد ہے ۔ جس طرح کی تعلیم اور جس طرح کے اخراجات پورے کرتا ہے ۔ اُسی طرح دوسری اولاد کا بھی حق بنتا ہے ۔ تیسری کا ہے ۔ اُس کا بھی حق بنتا ہے ۔ چوتھی سے ہے اُس کا بھی حق بنتا ہے ۔ اگر کسی میں جرأت ہو تو اللہ کریم نے محدود کر دیا ۔ وہ خود بہتر جانتا ہے ۔ اس میں تو چار سو کی بھی اجازت دے دیتا تو کوئی حرج کی بات نہیں ۔ اس

لئے کہ اسلام ایک ابدی دائمی اور قیامت تک رہنے والا دین ہے اور دنیا کے حالات مختلف ہوتے رہتے ہیں جس زمانے میں یہ اجازت، یہ احکام نازل ہوتے، اس زمانے میں مسلمان دور دراز تک جہاد میں مصروف تھے۔ جزیرہ عرب فتح ہوا تھا بے شمار لوگ شہید ہوتے تھے اور بے شمار بچے اور بے شمار بیوہ خواتین بغیر آسرے کے رہ جاتی تھیں جس کا بہترین حل اسلام نے یہ تجویز فرمایا۔ مغرب کا معاشرہ جو اسلام پہ اعتراض کرتا ہے اُس نے اِن خواتین کا کیا حل کیا ہے۔ آپ برطانیہ میں جا کر دیکھیں، آپ سکنڈے نیوین کنٹریز میں جا کر دیکھیں آپ امریکہ میں جا کر دیکھیں مغرب میں جا کر، آپ مشرق میں چلے جائیں۔ مشرقِ بعید میں جا کر دیکھیں۔ ہر کافر معاشرے نے ایسی خواتین کو بیسوا اور پیشہ ور بنا دیا ہے۔ لندن شہر میں بیسواؤں کا روزانہ میڈیکل چیک اپ ہوتا ہے۔ یہ کیا جاتا ہے کہ اِن سے کوئی بیماری نہ پھیلے۔ لیکن انہیں پیشہ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ سر بازار بٹھایا جاتا ہے۔ تو وہ عورتیں، وہ خواتین، وہ یتیم بچیاں، وہ معاشرے کے افراد جن کا کچھ نہیں رہتا انہیں بغیر نکاح یا بغیر رشتے کے کسی مَرد کے تصرف یا تعلق میں دینا صحیح تھا جو مغرب کے معاشرے نے کیا ہے یا اس کا یہ حل صحیح تھا کہ مسلم معاشرے میں وہ افراد جو انہیں برابر کا درجہ دے سکیں، جو اُن کی ضرورت کی دیکھ بھال کر سکیں، جو معاشرے کو اِن کے ذریعے اچھے افراد دے سکیں اور ایک مثالی معاشرہ قائم کر سکیں۔ وہ دو نکاح کر لیں۔ تین کر لیں یا چار کر لیں، یعنی جو خوبی تھی جو کمال تھا مسلم معاشرے کی تعمیر کا وہ اعتراض بن گیا۔ اِس لئے کہ ہم نہیں جانتے۔

لندن میں ایک مولانا نے مجھے یہ سمجھانا چاہا کہ کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے تعدد ازواج پہ بات آجائے تو آپ بات نہیں کیجئے گا۔ یہ بات یہاں بڑی قابلِ اعتراض ہے۔ تو مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ میں نے کہا "آپ عالم ہیں۔ کیا آپ کو خبر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازواج میں کیا حکمت ہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال کی جوانی میں حضرت خدیج
الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کی عمر اُس وقت چالیس برس تھی
کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچاس سے زائد تھی جب حضرت خ
الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہوا۔ عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ تعا
عنہا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئیں۔ اُس وقت حضور
اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ترپن سال تھی۔ مدینہ منورہ ہجرت فر
چکے تھے۔ پچیس سال سے لیکر ترپن سال تک کی عمر اس خاتو
کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح نباہی کہ کوئی اُس
نظیر پیش نہیں کر سکتا۔ بلکہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض کے وصال ک
بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک دنیا میں رہے حضرت خدیجۃ الکبر
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں اور اُن کے عزیزوں تک کا خاص خیا
ہوتا تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تحفے بھیجا کرتے تھے اُن خواتی
کو جو خدیجۃ الکبریٰ رض کی دوست اور سہیلیاں تھیں اگر کسی کو خواہش
نفس کے لئے، کسی کو ایسی حاجات کے لئے، کسی عیش کرنے ک
لئے متعدد بیویاں چاہئیں تو وہ نوجوانی میں چاہئیں۔ ترپن سال ک
بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ
سے نکاح فرمایا۔ جو ایک کنواری نوجوان خاتون تھیں اس کے علاوہ جتنے نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیئے۔ وہ عمر رسیدہ بزرگ خواتین تھیں۔ جن کے شوہر لڑائی میں کام آچکے تھے۔ اور ان میں بھی وہ خواتین تھیں جن کے عقد میں آنے سے ایک ایک قبیلہ ایک ایک علاقہ اور ایک ایک صوبہ بعض اوقات اسلام می
داخل ہو گیا پھر مزے کی بات یہ ہے کہ بعض عمر رسیدہ خواتین کے ساتھ اُن کی اولادیں اور بچے آئے۔ اُن کی تربیت بھی شفقت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی طرح فرمائی گویا حضور صلی اللہ علیہ وسل
کے اپنے صاحبزادے ہیں۔ اور ان سب کو ربِ جلیل نے وہ منص
عالی دیا جو ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کا حق

اور شرعاً بھی اُن کو وہی منصب ملا اور عملاً بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوکِ عالی نہ صرف اُن سے بلکہ اُن قبائل سے، اُن کے خاندانوں سے اور اس پوری برادریوں سے اِس طرح کا رہا کہ ایک ایک خاتون کے بدلے ایک ایک قوم اسلام میں داخل ہوئی۔ اور بعض جو قبیلے فتح ہو گئے ان کی خواتین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا۔ تو ان کے طفیل وہ پوری قوم آزاد ہو گئی پورا قبیلہ جو قیدی بن چکا تھا اور غلام بن کر تقسیم ہو چکا تھا مسلمانوں میں جب صحابہؓ کو خبر ہوئی تو ایک نے کہا کہ میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کو غلام نہیں رکھ سکتا یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کی ہمشیرہ یا اس کی بیٹی یا اس کی چچازاد یا اس کی ماموں زاد جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ محترمہ اور اسکا بھائی یا اس کا عزیز یا اس کا رشتہ دار میرا غلام ہو۔ میں تو اسے آزاد کرتا ہوں۔ ایک کی یہ بات کہنے پر سب صحابہ دست بردار ہو گئے اور پورا قبیلہ آزاد کر دیا۔ یہ جو تعدادِ ازدواج تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بجائے خود ایک معجزہ تھا ایسی مصروف ترین ہستی کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب جلیلہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو اُن امور کو جو اللہ کے قرب کے لئے انسانی وجود پہ وارد ہوتے ہیں اُن امور کو جو وحی الٰہی کو آگے پہنچانے سے جو کیفیات وارد ہوتی ہیں ان کو رہنے دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی مصروفیات بحیثیت ایک نوزائدہ ریاست کے حاکم کی دیکھئے کہ مدینہ منورہ کے دس سالوں میں آپ کو چور اسی کے قریب غزوات و سرایہ ہی ملتے ہیں جو اسی بڑی جنگیں ملتی ہیں۔ جو غیر ممالک کی افواج سے، غیر قبائل سے لڑی گئیں، جن میں بعض میں بنفس نفیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت فرمائی اور بعض میں کسی کو امیر بنا کر بھیجا۔ جس میں خود شرکت فرمائی اُسے غزوہ کہتے ہیں جس میں کسی کو مامور فرمایا اسے سریہ کہتے ہیں تو دس سالوں میں چوراسی جنگیں جیتنا۔ لڑنا نہیں بلکہ جیتنا اور وہاں سے کفر مٹا کر انصاف مہیا کرنا پھر اس کے ساتھ پورے مُلک میں اسلامی قانون کی بنیاد استوار کرنا، کھانے پینے، بولنے چالنے، دوستی دشمنی سے لیکر سیاست، اخلاقیات اور کاروبار، بیع و شراء تک ہر ہر چیز کا فیصلہ بنفسِ نفیس صادر فرما کر معین کرنا اور ایک پورا معاشرہ تشکیل دینا۔ اس مصروفیت میں آٹھ اور نو بیویوں کو وہ مساوی حقوق دے کر، آٹھ نو دس خاندانوں کو بحیثیت سُسرال ان کے پورے حق ادا کرنا، یہ بجائے خود ایک معجزہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اس پہ ہم شرمندہ ہوں؟ کچھ کر کے تو دکھاؤ۔

حقیقت یہ ہے کہ عدم واقفیت سے خوبیاں بھی خامیاں بن جاتی ہیں اور ہمارا رویہ معذرت خواہانہ ہوتا ہے۔ کہ بس ہم تو مسلمان ہیں شرمندہ شرمندہ سے۔ ہم مسلمان ہوتے ہیں جیسے مسلمان ہو کر ہم نے کوئی جرم کر لیا ہے کہ باعث عار بات ہے۔

ایک خاتون بیمار ہو جاتی ہے اس کی صحت خراب ہو جاتی ہے خاوند صحت مند ہے جوان ہے، بیوی بیمار ہے۔ دائم المرض ہے۔ مغرب والے کیا کرتے ہیں۔ وہ سیدھا کورٹ جاتا ہے عدالت کو کہتا ہے یہ بیوی میرے لئے بوجھ بن گئی ہے میں اسے طلاق دے رہا ہوں۔ وہ کہتے ہیں ٹھیک ہے یہ مصیبت ہے تیرے کام کی نہیں۔ یہ حل صحیح ہے یا اسلام کا یہ حل صحیح ہے کہ وہ کہتا ہے اسے اس کا مقام، اس کا مرتبہ دو۔ اللہ قادر ہے۔ کل تمہاری صحت بھی چھین سکتا ہے۔ لیکن تم مجبور مت ہو جاؤ۔ اگر تم برداشت کر سکتے ہو تم میں سکت ہے تو تم ایک نکاح اور کر لو۔ تمہارا گھر بھی آباد رہے اور یہ بھی محروم نہ رہے۔ وہ حل صحیح ہے جو مغربی معاشرے نے دیا ہے یا یہ حل صحیح ہے۔ اسلام نے یہ چھوٹی چھوٹی باتیں بیان نہیں کیں۔ صرف ایک جملہ کہہ دیا ہے۔

اَلَّا تَعۡدِلُوۡا۔ اگر تم انصاف نہ کر سکو فَوَاحِدَةً پھر ایک ہی شادی کرنا۔ اب یہ "اگر والا" ایک جملہ جو ہے یہ ساری قیدیں بڑھا دیتا ہے۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو بیویاں تھیں تو کسی نے ان کا سلوک دیکھ کر کہا تھا کہ حضرت آپ نے تو دو شادیاں

کرنے سے لوگوں کو روک ہی دیا کہ جو سلوک آپ کرتے ہیں کون کرے گا۔ اتنا وسیع الظرف کون ہوگا۔ آپ کا عمل دیکھ کر تو یوں نظر آتا ہے کہ کوئی بھی دوسری شادی نہ کرے۔ اس طرح کا حسنِ سلوک ہو تو ایک بیوی سے ساری عمر نبھانا مشکل ہے اور آپ دو دو سے نبھا رہے ہیں۔ ایک بیوی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ حسنِ معاشرت معاشرے میں عنقا ہو جاتا ہے۔ لوگ بے عزتیاں کرتے ہیں، گالیاں دیتے ہیں۔ کھانے کو نہیں دیتے، عزت و احترام نہیں دیتے، معمولی معمولی بات پہ نمک کم ہے ہانڈی میں یا مرچ زیادہ ہے اس پہ جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے۔ لوگ مکان کی چھت پہ چڑھ کے طلاق کے طعنے دیتے ہیں" میں یہ کر دونگا میں وہ کر دونگا"۔ یہ ساری باتیں قابل برداشت ہیں جو بالکل غیر اسلامی ہیں۔ ان پر کبھی کسی کو اعتراض نہیں ہوا۔ اور مغرب کا معاشرہ مسلمانوں پہ اعتراض کرتا ہے۔ اس کی ایک عدالت ہوتی ہے جو صرف میاں بیویوں کے جھگڑے سنتی ہے اُن میں نکاح طلاق کے فیصلے کرتی ہے اُس عدالت کو کبھی آپ سنیئے گا۔ اَب کے میں گیا تو میں کوشش کرونگا کہ اس کی کیسٹ لے آئی جائے اور لوگوں کو بتایا جائے کہ مغرب میں کیا ہوتا ہے اور وہ کورٹ میں جا کر بیوی خاوند کا کتنا احترام کرتی ہے اور اُس کے کتنے کچے چھٹے بتاتی ہے اور خاوند بیوی کا کیا احترام کرتا ہے۔ اُس کا کتنا کچا چھٹہ بر سر عدالت بتاتا ہے کہ یہ ایسی ہے یہ ویسی ہے۔ یعنی آدمی سوچ نہیں سکتا جو کچھ وہ عدالت میں ایک دوسرے کے لئے کہتے ہیں۔ آدمی کسی انسان کو ایسا کہنے کے لئے سوچ نہیں سکتا وہ سب درست اور اسلام کے اتنے اتنے حسین و جمیل پہلو قابل نفرت؟

دوسری بات جو میں مختصراً اس کا حوالہ بھی دیتا چلوں جو کنیزوں، باندیوں کی بات ہے۔ اسلام میں ایک عجیب ٹیگ ہے کچھ عورتیں بعض لوگوں پر بغیر نکاح کے حلال ہیں۔ ان کا سٹیٹس بیوی کا بھی نہیں۔ اُن کے ساتھ نکاح بھی نہیں، انہیں غلام یا کنیز یا باندی کہتے ہیں۔ بھلا وہ کیسے حلال ہو گئیں۔ بڑا طعنہ دیا جاتا ہے مسلمانوں کو۔ آپ نے اقوامِ عالم کو، لوگوں کو فتح کرتے دیکھا۔ آپ آج سُن رہے ہیں کہ کشمیر میں کیا ہو رہا ہے۔ آپ نے تقسیمِ ملک کے وقت دیکھا ہے کہ ہندوؤں اور سکھوں کا کیا طریقہ تھا۔ آپ نے عیسائی افواج کی پہلے سے لیکر آج تک کی لشکر کشی کی داستانیں سنیں اور لوگوں کا جو حشر ہوا وہ پڑھا اور جو قومیں مفتوح ہوتی ہیں اُن کی خواتین کا جو حشر کیا جاتا ہے۔ تاریخ میں آپ نے پڑھا۔ وہ اُن سے کیا سلوک کرتے ہیں۔ اسلام نے غلام اور کنیز کا تصور مفت میں نہیں دیا۔ وہ لوگ جو تلوار لے کر اللہ کے دین کے مقابلے میں بر سر میدان لڑتے ہیں اگر وہ حالتِ جنگ میں شکست کھا کر قید ہو جاتے ہیں۔ تو فاتح ان کی دھجیاں اڑاتے ہیں اُن کے بخیئے ادھیڑتے ہیں اُن کو تاخت و تاراج کر دیتے ہیں۔ اُن کی عزت، اُن کی آبرو کسی شے کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ اسلام انہیں وہاں ایک سٹیٹس انسانی دیتا ہے کہ یہ انسان ہیں یہ اپنے مذہب پہ قائم رہ سکتے ہیں۔ تم ان پر زبردستی نہیں کر سکتے۔ جتنا کسی میں ہمت ہے اُس سے اتنی خدمت لے سکتے ہو۔ اس سے زیادہ کا حکم نہیں دے سکتے۔ جو خود کھاتے ہو وہ انہیں کھلاؤ۔ جیسا خود پہنتے ہو اسے پہناؤ گے، اس کے ساتھ اسلام اور اللہ کے قانون کے مقابل تلوار اور بندوق اٹھانے کے جُرم میں اس کی آزادی سلب کر لی جاتی ہے اور وہ آپ کا غلام ہے۔ لیکن اس غلام بنانے کے بعد اسی طرح جو خاتون میدانِ جنگ میں قید ہوتی ہے وہ کنیز بنا لی جاتی ہے۔ لیکن ہر ایک کی نہیں۔ کسی ایک مسلمان جس کے حصے میں آئے گی اس ایک وقت میں ایک مسلمان پہ حلال ہے۔ دوسرے پر نہیں۔ اُس کا ایک انسانی احترام ہے۔ پھر اگر اس سے اس کی اولاد ہو جاتی ہے۔ اس بندے سے تو وہ اُمِ وَلَد کہلاتی ہے۔ پھر وہ کنیز کے درجے سے نکل جاتی ہے پھر اسکا سٹیٹس بدل جاتا ہے۔ پھر وہ اس کی اولاد کی ماں کہلاتی ہے۔ بیوی نہ سہی لیکن اسکے بچوں کی ماں ضرور ہے۔

سنس بدل جاتا ہے۔ آدمی پھر اُس سے ساری زندگی جان نہیں چھڑا سکتا۔ دُوسرے کو دے نہیں سکتا، بیچ نہیں سکتا۔ بلکہ وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گی اور اسکے بچوں کی ماں بن کر رہے گی۔ ہاں اولاد نہیں ہے۔ کسی کو وہ بطور غلام یا کنیز ملی تو اس پر یہ حق دیا گیا ہے کیونکہ اس کی آزادی اس کے حق میں سلب ہوگئی۔ لہٰذا اگر وہ انہیں فروخت کرنا چاہے تو وہ کر سکتا ہے لیکن یہ اُس جرم کے مقابلے میں کتنی خوبصورت صورتحال ہے جو دوسری قومیں مفتوح لوگوں سے کرتی ہیں ذرہ وہ بھی تو دیکھیں۔ مقابلہ بھی تو دیکھیں کس حالت سے ہے۔ کس طرح سے اجتماعی عزتیں لوٹی جاتی ہیں۔ آپ کشمیر کے لڑنے والے مجاہدین کا حشر روز اخباروں میں نہیں پڑھتے؟ کہ کیا ہو رہا ہے۔ ہندوستانی افواج کیا کر رہی ہیں۔ یا دوسری اقوامِ عالم کو دیکھ لیں، عیسائیوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں۔ اسی ملک کی تاریخ دیکھیں، جب دِلی فتح ہوئی تھی۔ اتنی جلدی بھول جاتے ہیں لوگ۔ یہی بیت المقدس جب عیسائیوں نے فتح کیا کیا حشر ہوا تھا۔ اسلام نے انہیں ان کی آزادی سلب کر کے بہت کم تر سزا دی ہے۔ ان کا ساری انسانی اور مذہبی احترام بحال رکھ کر۔

پھر ہر گناہ کے بدلے کنیز اور غلام کے آزاد کرنے پر اللہ نے اپنی بخشش کا وعدہ دے دیا ہے۔ کہ ان کو پھر غلام ہی نہ بنائے رکھو۔ انہیں آزاد کر دو گے تو میں تمہاری خطائیں معاف کر دونگا۔ روزے نہیں رکھ سکتے۔ غلام آزاد کر دو۔ کسی کو دکھ دیا ہے۔ غلام آزاد کر دو۔ حج میں کمی رہ گئی۔ غلام آزاد کر دو یعنی بات بات پر انہیں آزاد کرنے پر اللہ نے اپنے انعامات کا مدار رکھ دیا کہ انہیں غلام ہی نہ بنائے رکھو۔ انہیں آزاد کر دو اور یہ صرف اسلام ہے مسلمانوں کی تاریخ ہے۔ جس میں آپ کو خاندانِ غلاماں ملتا ہے کہ لوگ غلام بن کر آئے اور حکمران بن کر رہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ لوگ قید ہوتے، بکے غلام بن کر مسلمانوں کے پاس آئے اور اسلامی ممالک پر انہوں حکومت کی۔ حتّٰی کہ ہماری تاریخ کا حصہ ہے خاندانِ غلاماں۔ مسلمان حکمرانوں کا وہ خاندان جو بحیثیت غلام آئے اور پھر انہیں حکومت و سلطنت بھی ملی۔

اسلام حُسنِ معاشرت کا نام ہے انسانی رشتوں کو بہت خوبصورتی سے جوڑنے اور قائم رکھنے کا نام ہے۔ جنہیں اس پہ معذرت ہوتی ہے یا جنہیں اس پہ شرمندگی ہوتی ہے یا جو ان باتوں کو کرنا نہیں چاہتے۔ میری رائے یا میرے ناقص خیال میں وہ لوگ اسلام سے واقف نہیں ہیں۔ ان باتوں کو جانتے نہیں۔ جاننا چاہتے بھی نہیں۔ اگر سمجھ نہیں ہے تو یہ پوچھی جانی چاہئیں۔ یہ بیان ہونی چاہئیں، یہ بتائی جانی چاہئیں۔ یہ ایک ضمنی سی بات تھی جو میں نے عرض کر دی اللہ کریم اس موقع پر اس موقع کی مناسبت سے باتیں عرض کرنے کی توفیق عطا فرمائے تو یہ ایک بہت بہتر اور بہت اچھا طریقہ ہے۔ میرے خیال میں یہ بھی بڑا بہتر طریقہ ہے کہ بجائے آپ مجھے دعوتیں دیتے رہتے ہیں کہ فلاں جگہ آجاؤ۔ فلاں جگہ میں جاتا نہیں۔ کیونکہ میرے پاس فرصت نہیں ہوتی۔ تو یہ جگہ بابرکت بھی ہے اور اسطرح بے شمار لوگوں کو یہاں جمع ہونے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ آپ لوگ بھی ایسا کریں۔ ہر مہینے ایک اجتماع تو ہوتا ہے تو آپ اگر اپنے نکاحات کی تقریب میں مجھے دعوت دینا چاہتے ہیں تو بجائے مجھے وہاں بلانے کے آپ اپنی تقریبیں اس طرح سے منعقد کر لیں تو اس میں کچھ نہ کچھ دوسروں کو فائدہ بھی ہو اور بہت سے لوگوں کی شرکت بھی ہو جائے اور ایک آدمی کے دُعا کرنے کی ایک اپنی حیثیت ہے ایک ہزار کے دُعا کرنے کی ایک اپنی حیثیت ہے۔ تو اس میں دُعا و برکت بھی ہو۔ اللہ کریم ہماری اس آج کی محفل کو بھی بابرکت بنائیں اور انہیں ایک مبارک زندگی نصیب کریں۔

(موقعِ نکاح جناب اظہر خورشید ۱۵-۴-۹۱)

برے اعمال کے اثرات

مولانا محمد اکرم اعوان

اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ۔

ربِ جلیل نے اس دُنیا کو بہت خوبصورت، بہت پیارا، بہت آرام دہ اور بہت ہی پرسکون بنایا ہے اس کا نظام ایسا ہے کہ جس میں ذرہ برابر خرابی نہیں ہے اس کی تقسیم ایسی ہے کہ جس سے بڑھ کر کسی بہتر تقسیم کا تصور نہیں اور اللہ جل شانہٗ کی یہ ایسی شاہکار صنعت ہے جسے اُس نے اپنے مقابل کھڑا کر دیا ہے انسان کو شعور عطا فرما کر درمیان میں چھوڑ دیا ہے کہ دیکھیں وُہ دنیا پہ فدا ہوتا ہے یا میری محبت کو اختیار کرتا ہے اگر یہ اللہ جل شانہٗ کی محبت کے مقابلے میں کھڑی کی گئی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ بہت بڑی خوبصورتی یا حسن یا بہت بڑی کوئی محبت کرنے والی چیز اس میں موجود ہے عملاً جو کچھ ہو رہا ہے جو کچھ بیت رہا ہے وُہ یہ ہے کہ دُنیا میں ہر طرف فساد ہے بیماریاں، تباہی، ظلم، بربریت اور جتنے بھی ہم موٹے موٹے الفاظ استعمال کر سکیں خرابی کے لیے وُہ ہر طرف موجود ہے اور بیت رہی پہلے ہم پر۔ یہ دو مختلف باتیں ہیں کہ ہم کہیں دُنیا بہت خوبصورت اور حسین بھی ہے اور بہت آرام دہ بھی ہے اور ثابت یہ ہو کہ دُنیا بہت تکلیف دہ ہے بہت مشکل جگہ ہے اور یہاں وقت گزارنا بہت کٹھن کام ہے اس کا جواب قرآنِ حکیم یہ دیتا ہے۔

کہ بنانے والے نے تو اسے بڑا آرام دہ بڑا خوبصورت بنایا اس کی تقسیم اتنی خوبصورت فرمائی کہ ہوا چلتی ہے تو شاہ و گدا کی تمیز کے بغیر ہر ایک کا حصہ ہر انسان تک پہنچتا ہے بارش برستی ہے تو ہر قطرہ اس ذرہ خاک تک پہنچتا ہے جہاں اُسے پہنچنا چاہیے۔ سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی کرنیں ایک ادنیٰ سی گٹھلی سے لیکر ایک بڑے تناور درخت تک کو پالتی ہے اور ایک ادنیٰ سے کیڑے سے لیکر انسان تک کو گرمی اور روشنی فراہم کرتی ہے اسی طرح جتنی چیزوں کی تقسیم دستِ قدرت میں ہے آپ اُن کو دیکھ لیجئے ایک ایک تنکے کو پیدا ہوتے دیکھ لیجئے ایک ایک پھل پر رنگ آتے دیکھ لیجئے ایک ایک پھل میں مٹھاس بھرتے دیکھ لیجئے کہیں رائی برابر خرابی نہیں نقص نہیں بلکہ ایک سے ایک حسین ہے فرمایا خرابی اگر ہے اس میں مصیبت ہے یا اس کی کوئی تکلیف ہے تو یہ وُہ نتائج ہیں جو انسانی کردار پر مرتب ہو رہے ہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ خشکی میں سمندروں میں خرابی پیدا ہوئی بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ ۔ لوگوں کے کردار کی وجہ سے جب انسان نے اللہ کا بنایا ہوا قانون توڑ کر دُنیا کو اپنی مرضی سے چلانا چاہا خرابی پیدا ہوئی۔ آپ ایک گھڑی اُس کے قاعدے کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ ایک موٹر اُس کی بُک لیٹ کے مطابق چلاتے ہیں۔ ایک کپڑا اس کے پہننے کے سلیقے کے مطابق۔ اگر کوئی شلوار گلے میں پہن لے اور قمیص کمر سے لپیٹ لے تو شاید اس کا بدن تو کسی حد تک ڈھانپ لے لیکن نہ وُہ اُس کے لیے حسین ہو گی نہ اُسے وُہ آرام دے گی اب اس میں شلوار یا قمیص کا قصور تو نہیں ہے۔ اُسی شلوار قمیص کو جس طرح پہننے کے لیے بنایا گیا ہے اُس طرح پہنا جائے گا آرام بھی دے گی زینت بھی ہوگی۔ اُسی کو اُلٹ دیں تو تکلیف بھی دے گی اور بدصورتی بھی ہو گی اور اگر ہم دائیں پاؤں کا جوتا بائیں میں پہن لیں تو وُہ کاٹتا ہے اتنی بڑی وسیع کائنات کو چلانے کا جو طریقہ اُس کے بنانے والے نے ارشاد فرمایا اُس کے بغیر جب چلانا چاہیں گے فساد تو ہو گا خرابی

تو ہوگی۔ تکلیف کا سبب تو ہوگی۔ پھر اللہ جل شانہٗ کریم اتنا ہے کہ انسانی کردار سے جو بگاڑ پیدا ہوتا ہے وُہ اسکو ایک حد تک رکھتا ہے ورنہ دنیا تباہ ہو چکی ہوتی۔ پھر اُس کی اصلاح فرما دیتا ہے۔ اُسے روک لیتا ہے اور جتنی خرابی انسانی کردار سے پیدا ہونی چاہیے۔ اتنی نہیں ہونے دیتا فرمایا اس لیے لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا۔ اُن کے کچھ کرتوت جو ہیں ان کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ انسان کو اپنے کردار کے نتائج کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ میں کچھ کر رہا ہوں۔ اُس پر کیا نتائج مرتب ہو رہے ہیں اور اس دنیا میں اگر اسے اندازہ ہو تو ممکن ہے لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ممکن ہے وُہ توبہ کرلے واپس آجائے اللہ اُسے ہدایت دے یعنی اللہ پھر اتنا کریم ہے کہ گناہوں پر بھی شفقت فرماتا ہے اور جتنی بُرائی جتنی خطا جتنا گناہ ہم کرتے ہیں اتنی سزا نہیں دیتا دنیا میں اتنی خرابی پیدا نہیں ہوتی اور اگر بعض گناہوں کے طفیل رُوئے زمین پر آگ برستی ہے انسان ذبح ہوتے ہیں۔ گھر اُجڑتے ہیں۔ تباہی ہوتی ہے کوئی سوچے کہ رُوئے زمین پر ایک لمحے میں کتنے لوگ ظلماً قتل ہوئے ایک لمحے میں تو دماغ پھر جاتا ہے یہ کیا ہو رہا ہے۔ کتنی گولیاں چلی ہوں گی۔ کتنی جگہوں پر بم برسے ہوں گے اور کیا کیا کچھ مظالم ہوئے ہوں گے تو انسان کا دماغ برداشت نہیں کرتا قرآنِ حکیم ارشاد فرماتا ہے۔ یہ تو تمہارے چند کرتوتوں کے باعث ہے سب کا بدلہ نہیں ہے۔

یاد رکھیں گناہ کی دو صورتیں ہوتی ہیں کوئی بھی کام کیا جائے اُس کے دو اثر ہوتے ہیں ایک اثر خود کرنے والے پر مرتب ہوتا ہے ایک اثر ماحول پر مرتب ہوتا ہے ہم آگ جلاتے ہیں دھواں بھی اُٹھے گا ہمیں گرمی بھی پہنچے گی لیکن صرف ہمیں نہیں ماحول کو بھی پہنچے گی ماحول میں بھی گرمی پھیلے گی ہم پانی چھڑکتے ہیں ہمارا کمرہ ٹھنڈا ہوگا لیکن وُہ ٹھنڈک ماحول میں پھیلے گی۔ اسی طرح ہم خطا کرتے ہیں اللہ کے حکم کو توڑتے ہیں گناہ کرتے ہیں تو وُہ جو دھواں اُٹھتا ہے وُہ صرف ہماری ذات کو متاثر نہیں کرتا ماحول کو بھی کرتا ہے اور اس کا جو اثر ماحول میں ہوتا ہے اُسی سے خرابی پیدا ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرمایا کرتے تھے کہ انسانی کردار اتنا مؤثر ہے کہ اگر جنگل میں کسی چڑیا کے انڈے گیدڑ کھا جاتا ہے اور اس پر آفت آتی ہے تو کسی نہ کسی انسان کے خطا کے اثر سے ہوتا ہے آپ دیکھیں ناگنا، تو قوموں نے، انسانوں نے کیے جب عذاب الٰہی آیا تو ساری زمین سارا ماحول اور سارے درندے پرندے حیوان کیڑے مکوڑے ہر چیز تباہ ہو گئی ساتھ۔ اس لیے کہ دنیا تو بنی انسان کے لیے ہے اس کے رہنے کی جگہ ہے ہر چیز اس کی خدمت میں لگی ہے جب مالک پہ تباہی آئے گی تو خدام بھی بھگتیں گے۔

جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مشرقی کونے پر سلطنت عمان میں ایک ایسا علاقہ موجود ہے آج بھی جو بڑا سر سبز ہے، بڑا شاداب ہے اور ندیاں بہتی ہیں، خوبصورت وادیاں ہیں، زرخیز زمینیں ہیں اور خود رَو پھل جتنا اُس علاقے میں ہوتا ہے دنیا میں جہاں باغات لگائے جاتے ہیں وہاں بھی اتنا نہیں ہوتا اُس میں پالتو بھیڑیں اور بکریاں جو ہم گھروں میں رکھتے ہیں ان کے ریوڑ ہیں جنگلی۔ لیکن کسی زمانے میں وہاں عذاب الٰہی نازل ہوا۔ لوگ تباہ ہو گئے ؛ ورایسا عجیب عذاب آیا کہ اللہ کریم نے ہر چیز تلخ کر دی انسان مر گئے تباہ ہو گئے اس تلخی کا اثر یہ ہے کہ اس پورے علاقے کے پانی کا ایک قطرہ کوئی شخص زبان پر نہیں رکھ سکتا سخت کڑوا ہے کسی پھل کو کوئی انسان نہیں چکھ سکتا تلخ ہے ان جانوروں کو ذبح کیا جائے تو ان کا گوشت بھی تلخ ہے۔ نہیں کھایا جا سکتا اگر غلطی سے وہاں کوئی چلا جائے کوئی نہ کوئی چیز چکھ لے پانی کا گھونٹ ہی بھر لے تو ایک نیا مرض شروع ہو جاتا ہے اس لیے عمان حکومت نے گرداگرد باڑ بنا دی ہے تاکہ لوگ اندر داخل ہی نہ ہو سکیں پتہ نہیں کسی زمانے میں اُن لوگوں نے کیا کیا۔ قوم کی خطا کا اتنا گہرا اثر تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کو تشریف لے جاتے ہوئے مدین سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بھاگ کر

نکل جاؤ اور یہاں کے کسی چشمے سے پانی نہ لیں یہاں کی کوئی سبزی یا کوئی چیز لے کر ہانڈی میں نہ پکائیں اور آرام سے نہ گزرنا۔ بلکہ اس علاقے سے بھاگ کر نکل جائیں۔ انسانی کردار اتنا مؤثر ہوتا ہے۔ ہم جب اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اکثر لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ اپنا میں بھگتوں گا تم کیوں فکر کرتے ہو اگر میں غلطی کرتا ہوں تو میں اپنی میں بھگت لونگا اس حد تک بھی صحیح نہیں ہے۔ صحیح اس لیے نہیں ہے کہ اُس نے خود اپنا وجود نہیں بنایا کہ اس پر عذاب لاتا ہے یا اُس پر خرابی لاتا ہے۔ وُہ وجود کس کا دیا ہُوا ہے وُہ امانت ہے اُس کے پاس وُہ قوت ہے وُہ علم، وُہ عقل، وُہ فکر، وُہ نگاہ، وُہ ہاتھ، وُہ پاؤں جسے وُہ استعمال کر رہا ہے وُہ کسی کی عطا ہے کوئی اُس سے حساب لے گا ٹھیک نہیں کر رہا وُہ لیکن یہ بھی کہتا ہے کہ میں جانوں میرا دینے والا جانے آپ کا کیا کسی کو یہ حق حاصل تو نہیں ہے کہ وُہ رُوئے زمین پر تباہی پھیلائے دُوسروں کو بھی مصیبت میں مبتلا کر دے اور گناہ کا یہی وُہ پہلو ہے جس کی بخشش میں شاید بہت سی شکل پیش آئے جہاں تک اللہ جل شانہٗ کی ذات کا حق ہے وہ تو ایسا کریم ہے۔ فرما رہا ہے۔

لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا دُنیا میں خرابی پیدا ہوتی ہے تو بے شمار گناہ معاف کر کے اُن میں سے چند اور بعض کے اثرات بھی تھوڑے، کسی حد تک، اِس حد تک نہیں کہ تم لوگ تباہ ہو جاؤ، اس حد تک ظاہر کیے جاتے ہیں کہ تمہیں حیا آئے اور تم واپس آجاؤ۔ وُہ ایسا کریم ہے نہ صرف یہ کہ واپس کا دروازہ بند نہیں کرتا بلکہ واپسی کے لیے اسباب پیدا کرتا رہتا ہے لیکن اگر کوئی واپس آنے کی نہیں سوچتا تو پھر اللہ کریم فرماتے ہیں۔

سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ذرا زمین پر پھر کر دیکھو كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلُ تم سے پہلے جن لوگوں نے یہ روش اپنائی گناہ کا، کفر کا راستہ اختیار کیا، یا بُرائی کی راہ پر چلے، اُن کا انجام کیا ہُوا۔ یہ دیکھ لو جس راستے پر تم چل رہے ہو وُہ کہاں پہنچتا ہے یہ تو دیکھو زمین پر پھر کر دیکھو وُہ لوگ تم سے زیادہ طاقتور تھے وُہ لوگ تم سے افرادی قوت میں بڑھے ہُوئے تھے وُہ لوگ تم سے وسائل میں بڑھے ہُوئے تھے۔

كَانَ أَكْثَرُهُم مُّشْرِكِينَ۔ اور ان میں تباہی کا سبب یہی تھا کہ اُن میں سے بہت ملکوں نے اللہ کے ساتھ شرک شروع کر دیا۔ ورنہ وُہ پاگل نہیں تھے کہ ان کی دماغی خرابی کی وجہ سے شہروں کے شہر بہہ گئے انہوں نے نہ کھانے میں قصور ایسا کیا، نہ پہننے میں خطا کی ان کی خطا صرف یہی تھی کہ اللہ کے ساتھ جو تعلق ہے اُسے ضائع کر دیا۔ پھر فرمایا انسان تجھ پہ ایک وقت آنے والا ہے جس کو تو ٹال نہیں سکے گا۔ انسان سو جاتا ہے دُنیا مافیھا سے بے خبر۔ پھر اللہ اُسے توفیق دیتے ہیں وہ جاگ اُٹھتا ہے ایک دن تو ضائع ہو گیا لیکن اگلی صبح کو آنکھ کھلتی ہے تو پھر دن موجُود ہوتا ہے اللہ توفیق دے تو وُہ تلافی مافات بھی کر لیتا لیکن فرمایا ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے کہ جب تیری آنکھ بند ہوگی تو تو واپس دُنیا میں نہیں آ سکے گا۔

لَا مَرَدَّ لَهُ۔ پھر واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ کہ تو اصلاح کر سکے یا اپنے لیے کوئی اچھی چیز جمع کر سکے یا اپنے لیے کوئی اچھا تحفہ لے سکے فرمایا۔ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ اللہ کے ساتھ ہیرا پھیریاں نہیں چلتیں اللہ کا دین بڑا سیدھا ہے جس میں کوئی چالاکی نہیں ہے جس میں کوئی جھُوٹ نہیں ہے اس میں کوئی منافقت نہیں ہے اس میں کوئی دکھاوا نہیں ہے لہٰذا جھُوٹ دکھاوے اور منافقت سے ہٹ کر سیدھے سیدھے اللہ کے دین پر عمل کرنے والے بن جاؤ، بلکہ سیدھے ایک دم سیدھے اور اُس دن سے پہلے پہلے یہ تبدیلی کر لو جس دن کے بعد کبھی تبدیلی کی گنجائش نہیں رہے گی اور وُہ دن اتنا سخت ہوتا ہے کہ سارا جہان بچھڑ جاتا ہے ہر ایک الگ ہو جاتا ہے پھر یہ بھی سوچ لو یہ بھی دیکھ لو کہ ہماری خطائیں ہمارے گناہ ہمارا کفر اُس کی عظمت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

مَن كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ۔ جو کفر کرتا ہے وُہ اس کی سزا پاتا اس کا جو تکلیف دہ نتیجہ ہے وُہ اس پر پلٹتا ہے ہمارے گناہ سے یا ہمارے اعتقادی خطا سے یا ہماری عملی خطا سے جو خرابی ہوتی ہے وُہ ہمیں پر

پلٹتی ہے اور جو نیکی کرتا ہے وُہ بھی اُس کا اجر خُود دیتا ہے اور نیکی کرنے والا کوئی اللہ کریم کو آرام نہیں پہنچا رہا اور کفر کرنے والا کوئی اُنکی ذات میں کوئی کمی نہیں پیدا کر رہا وُہ ان باتوں سے بالاتر ہے انسانوں کا محتاج نہیں ہے بلکہ انسان جو معاملہ کرتا ہے وُہ خود اس پر پلٹتا ہے اور جب یہ یقین ہو کہ جو چیز میرے ہاتھ سے نکلے گی وُہ میرے ہی سر پڑے گی تو آدمی کو چاہیئے کہ وُہ پھول پھینکے بجائے اس کے کہ وُہ اپنے ہاتھ سے پتھر پھینکے یا گولی چلائے چونکہ اُس کا جو الٹی میٹ ریزلٹ ہے اس پر جو نتیجہ مرتب ہوگا۔ اُس انسان پر ہی آئے گا جو لوگ نیک کام کرتے ہیں وُہ بھی دُوسروں پہ احسان نہیں کرتے بلکہ اپنے لیے فَلِاَنۡفُسِھِمۡ یَمۡھَدُوۡنَ۔ اپنے لیے آرام کی جگہ درست کرتے ہیں اپنا گھر بناتے ہیں اپنا ٹھکانہ بناتے ہیں اپنے آرام کا کام کرتے ہیں جو چوری کرتا ہے اُسے یہ خیال ہوتا ہے کہ میں نے جو مشقت کی اُس کے بدلے میں نے پیسے لے لیے کسی کو قتل کرکے اپنا وُہ بدلہ چکاتا ہے یا گناہ کرکے وُہ ایک لذت محسوس کرتا ہے لیکن نیکی کرنے والا بہت سی دُنیوی باتوں میں محروم رہتا ہے اُن کے مقابلے میں اور گناہ گار اس پر ظلم بھی کر لیتے ہیں اپنی حکومتیں بھی بنا لیتے ہیں عیش بھی کر لیتے ہیں تو اگر نیکی اور بدی کا محاسبہ نہ ہوگا ظلم کرنے والے ظالموں کو ظلم کی سزا ملے گی تو پھر تو نیکی کا تصوّر ہی فضول ہُوا پھر تو نیکی کرنا کمزوری ہُوئی پھر تو نیکی کرنا فضول سا کام ہُوا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں یہ ایسا کام نہیں ہے بلکہ اللہ کریم میدانِ قیامت اور قیامت کے دن انصاف کی گھڑی کو قائم اس لیے کریں گے لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡ فَضۡلِہٖ کہ جو لوگ ایمان پر قائم رہے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اُنہیں نہ صرف اُن کے اعمال کا انعام دیا جائے بلکہ اللہ اپنے جود وسخا اور اپنی عطا کے تماشے دکھائے گا لوگوں کو اپنے کرم سے اپنے فضل سے عطا کرے گا۔ لیکن ایک بات یاد رکھو۔
اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡکٰفِرِیۡنَ۔ وُہ کفر کرنے والوں کو ناشکری کرنے والوں کو گناہ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ یعنی یہ طے شدہ بات ہے کہ برائی سے کبھی اچھا انجام نصیب نہیں ہو سکتا اور گناہ سے کبھی بھلائی نصیب نہیں ہو سکتی۔ اللہ کریم ہمیں اقتصادیات میں بھی اور اعمال میں بھی سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں ہمارے گناہوں سے درگزر فرمائیں۔ اور جو خطائیں ہم سے سرزد ہو چکی ہیں انہیں معاف فرمائیں اور نیکی کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دُعائے صحت

ڈاکٹر نصرت پاشا کی والدہ محترمہ نشتر ہسپتال ملتان میں زیر علاج ہیں۔ اُن کی صحت کے لیے تمام ساتھیوں سے دعا کی درخواست ہے۔

دُعائے مغفرت

نذیر احمد مخدوم خطیب جامع مسجد بھلوال، ان کی بہو اور پوتے کی وفات پر احباب سے مغفرت کی دعا کی درخواست۔

دُعائے مغفرت

محمد امین (ڈسکہ) کے خالو اور خالہ صاحبہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ ان کے لیے اور والدہ ماجدہ محمد رفیق کی مغفرت کے لیے ساتھیوں سے دعا کی اپیل ہے۔

تزکیہ نفس

مولانا محمد اکرم اعوان

رب کریم ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر انسان کو یہ وہم ہوتا ہے کہ شاید میں بہت دانا آدمی ہوں۔ یہ ہر انسان میں فطری وہم ہے کسی کے بنانے سے نہیں بنتا۔ کسی کے سکھانے سے نہیں آتا بلکہ طبعی طور پر انسان کے اندر موجود ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں بہت دانا آدمی ہوں۔ میں بہت سمجھ دار ہوں دوسروں کی نسبت میں بہت عقلمند ہوں۔ اب اگر وہ کسی نیکی سے محروم رہتا ہے بھلائی سے محروم رہتا ہے، ایمان سے محروم رہتا ہے تو وہ سرے سے اس نیکی کو نیکی، ایمان کو ایمان قبول ہی نہیں کرتا۔

کوئی آدمی ایمان سے اس لیے محروم نہیں رہتا وہ سمجھتا ہے کہ ایمان لانا اچھی بات ہے لیکن میں نہیں لاؤں گا۔ بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں۔ یہ بے وقوف ہیں۔ میں جو ایمان نہیں لا رہا ہوں۔ میں درست کر رہا ہوں، ٹھیک کر رہا ہوں۔ اس کی دلیل اُس کے پاس یہی ہوتی ہے۔

لَوْ كَانَ خَيْرًا۔ اگر یہ بات بھلی ہوتی مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ہم اس کو آگے نہیں جانے دیتے تھے۔ پہلے ہم اسے قبول کرتے۔ اور جب وہ اُس تک پہنچ نہیں پاتے تو کہتے ہیں۔ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ۔ یہ پرانے قصے کہانیاں ہیں۔ پرانی باتیں ہیں۔ پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور یہ لوگ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں۔ یہ صرف آج کے انسان کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ جب سے انسان اس دنیا میں آیا ہے۔ یہ مسئلہ تب سے اس کے ساتھ چل رہا ہے۔

مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى ہم نے قرآن کریم کے نزول سے پہلے مختلف انبیاء، پر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کتاب نازل فرمائی اِمَامًا وَّ رَحْمَةً " اس کتاب میں بھی یہ کمال موجود تھا کہ وہ رہنمائی کا حق ادا کرتی تھی اور سراپا رحمت تھی۔ اللہ کی بخشش کا سبب اور باعث تھی۔

اب دیکھیں گناہ گار کے طور پر مثالی نام لیا جاتا ہے فرعون کا اور جب کوئی ظلم حد سے بڑھ جائے کوئی انسان گناہ میں حد سے نکل جائے کسی کی عادتیں بہت بگڑ جائیں تو اُسے اُس کے مزاج کو فرعونیت کہتے ہیں یعنی کوئی بہت بگڑے تو مثال یہ دی جاتی ہے کہ وہ فرعون بن گیا ہے۔

اب موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا انداز دیکھیں کہ فرعون کہتا ہے میں خود رب ہوں۔ کائنات کا مالک میں ہوں۔ مجھے سجدہ کیا جائے۔ میری عبادت کی جائے اور حق تو یہ ہے کہ ایک شخص پیدا ہوتا ہے۔ عام آدمیوں کے سامنے عام آدمیوں کی طرح والدین ہیں۔ اُس کا بچپن ہے اس کا لڑکپن ہے۔ اُس کی جوانی ہے پھر آج بھی دوسرے انسانوں کی طرح وہ کھانے کا محتاج ہے، پینے کا محتاج ہے، سونے کا محتاج ہے ایک جیا فوسے کا ٹو ٹوٹ جائے گا تو وہ کیسے کہتا ہے میں خالق ہوں تم

عون ہو۔ جس کا کل تک وجود ہی نہیں تھا۔ حق تو یہ ہے کہ جب وہ دعویٰ کرتا ہے تو اُسے نہایت ذلت آمیز طریقے سے ٹھکرا کر اُس کے دعوے کی قلعی کھولی جائے اُسے کہا جائے کہ میاں تم تو سونے کے محتاج ہو کھانے کے محتاج ہو، صحت و بیماری کے محتاج ہو تم دوسروں کے خالق کیسے ہو سکتے ہو۔ لیکن نہیں آپ دعوتِ موسوی کو دیکھیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَىٰ أَنْ تَزَكَّىٰ ۔ کہ فرعون کیا تو چاہتا ہے میں تیرا تزکیہ کروں۔ تجھے پاک کر دوں۔ تیرے دل سے تیرے مزاج سے تیرے وجود سے ساری کثافتیں دھوڈالوں۔ وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ اور میں تجھے تیرے رب کے روبرو کھڑا کر دوں فَتَخْشَىٰ اور تیرا ایسا تعلق رب سے قائم ہو جائے کہ تو اللہ سے حیا کرنے لگے اور تو خدا کو روبرو دیکھے اور پھر جو بات بھی تو کرے، جو قدم بھی تو اٹھائے اُس میں خشیت باری موجود ہو۔

آپ بخشش کا اندازہ فرمایئے کہ مثالی گناہ ہیں۔ کفر ہے، شرک ہے۔ ظلم ہے جور ہے بدکاری ہے قتل و غارت ہے کونسا گناہ ہے جو فرعون کے دامن سے نہیں لگا اور اِس پر نورِ نبوت ہے کہ ایک نگاہ سے دھونے کا متمنی ہے۔ بات صرف یہاں اٹکی ہوئی ہے کہ فرعون مان جائے۔ کہ تو ہاں کہہ دے پھر دیکھ میں تجھے فرعونیت سے لے کر اللہ کریم کے روبرو کیسے کھڑا کرتا ہوں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں اُسے بھی فرعون نے کہا جادوگر ہے جھوٹ بولتا ہے۔

اتنی بخشش اتنی رحمت یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطالبہ نہیں ہے کہ تو حکومت چھوڑ دے ہرگز نہیں یہ مطالبہ نہیں ہے کہ ملک چھوڑ دے ہرگز نہیں۔ ملک بھی تیرا رہے حکومت بھی تیری رہے میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تجھے تیری حکومت سمیت خدا آشنا کر دوں اور تیرے دل میں اللہ کی عظمت آجائے۔ لیکن وہ محروم رہا۔ اِس سعادت کو نہ پا سکا جس حکومت کو بچانا چاہتا تھا وہ حکومت بھی گئی جس شان و شوکت کو بچانا چاہتا تھا وہ بھی چھن گئی اپنی زندگی تک اپنی قوم کی زندگی تک اپنا مال و متاع سب کچھ گنوا بیٹھا۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کی طرف مسلمانوں کی طرف الزام کرتا رہا کہ یہ بے وقوف ہیں۔ خود کو دانا سمجھا۔

پھر فرمایا۔ قرآن حکیم نازل ہوا یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں کوئی عجیب بات نہیں ہے کوئی اجنبی بات نہیں ہے۔ هٰذَا كِتَابٌ مُصَدِّقٌ۔

یہ ایسی کتاب ہے اس سے پہلے جتنے انبیاء و رُسل دنیا میں گزرے ہیں۔ جتنی کتابیں نازل ہوئی ہیں یہ سب کی تائید و تصدیق کرتی ہے کوئی عجیب بات نہیں کرتی۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ آدم علیہ السلام نے جو زمین پر کلمہ یاد کیا ہوا تھا وہ تھا لا الہ الا اللہ تمام انبیاء کے کلمے کا بنیادی جزو یہی تھا۔ لا الہ الا اللہ۔ قرآن حکیم نے نازل ہو کر اُسی کی تصدیق فرمائی۔ لا الہ الا اللہ۔ درمیان میں صدیوں کے فاصلے ہیں ایک نبی دوسرے نبی کی تعلیمات دیکھتا نہیں ہے۔ تاریخی حالات اُس تک نہیں پہنچے۔ اُس زمانے کے لوگ نہیں پہنچے۔ عبادات میں اگر فرق آتا ہے اُن کے اوقات میں آتا ہے اُن کی رکعات میں آتا ہے لیکن معبود کی ذات میں فرق نہیں آتا عقائد میں فرق نہیں آتا۔ آدم علیہ السلام اگر آخرت کی قیامت کی حشر و نشر کی کوئی بات بتاتے ہیں تو سارے نبی سارے رُسل وہی بات بتاتے ہیں اور قرآن حکیم آ کر اُسی کی تصدیق فرماتا ہے۔ یہ نہیں فرماتا کہ آدم علیہ السلام نے جو کہا تھا وہ نہیں ہوگا اس کے علاوہ کچھ اور ہوگا۔ انبیاء و رُسل کی صداقت کا یہ بھی ایک انداز ہے جس سے جانچا جا سکتا ہے۔ کہ درمیان میں صدیوں کے فاصلے ہیں نیا آنے والا نبی عقائد میں کبھی پہلے نبی سے اختلاف نہیں کرتا۔ دو باتوں میں کبھی اختلاف نہیں کرتا۔ ایک عقائد میں اور دوسرے اخبار میں جو پہلے اللہ کی طرف سے خبر نازل ہوئی ہے کسی دوسری کتاب میں وہ بدل کر نہیں آتی کہ اگر خبر میں تبدیلی آئے گی تو مخبر پر جھوٹا الزام آئے گا۔

اب یہ قیامت کے واقعات موت کے بعد کے واقعات

انسان کے دل میں آنے سے پہلے عالم امر کے واقعات یہ ساری باتیں اگرچہ عقائد اسلامی بھی ہیں۔ لیکن اخبار نبوت بھی ہیں۔ یہ وُہ خبریں ہیں جو نبی اور رُسل دیتا ہے اور انسانیت کی ظاہری نگاہوں سے اوجھل بھی ہیں۔

تو اگر نبوت من جانب اللہ نہ ہوتی صدیوں کے فاصلے دوسرے نبی تک یہ صداقتیں کیسے پہنچتیں۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ اُن سب صداقتوں کی اللہ کی یہ کتاب تصدیق ہی کرتی۔ کہیں تو اختلاف ہوتا۔ فرمایا یہ اتنی عجیب بات ہے کہ بجائے خود کچھ بھی انسان کو شعور سے واسطہ ہو تو یہ سوچتا ہے کہ یہ کبھی جھوٹ نہیں ہوسکتا۔ جس پر کم وبیش سوا لاکھ ایسے مقدس انسان جن کا تقدس مثالی ہے جن کی زندگی مثالی ہے جن کا ورع تقویٰ اور نیکی مثالی ہے۔ کیا وہ سارے معاذاللہ جھوٹ پر متفق ہوگئے۔ دنیا کے مثالی اور معیاری انسان۔ اگر کوئی نبی کو نبی نہیں مانتا تو عالم انسانیت میں آکر غیر نبی کو اُس جیسا انسان بھی ثابت نہیں کرسکتا۔ اخلاقیات میں حالات میں عقائد میں معاملات میں ہمیشہ نبی کا پلہ بھاری ہوتا ہے تو اتنی ساری مقدس انسانوں کی جماعت کیا ہمیشہ دھوکے میں رہی۔ اور نفس کے کتے خواہش کے بندے تھوڑی تھوڑی دنیوی ضرورتوں پہ ذلیل ہونے والے انسان یہ بات تو سوچ گئے اور یہ مقدس حضرات نہ سمجھ سکے۔ یہ کیسے ممکن ہے۔

قرآن کریم کا بھی یہی کمال ہے۔ ھٰذَا کِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ ...... خَلَمُوْا۔ اِس کی کوئی زبان بھی ایسی نہیں ہے، جو غیر معمولی ہو وہی عربی جو سارے عرب میں مستعمل تھی اُسی کو اظہار مقصد کا ذریعہ بنا کر اور پھر اگر ڈراتا ہے تو ہمیشہ برائی سے ڈراتا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے انسانی ادب کے خلاف بھی کوئی بات نہیں اگر ڈراتا ہے اسلام منع کرتا ہے شرک سے گناہ سے، برائی سے، بداخلاقی سے، جھوٹ سے، بے ایمانی سے اور وَبُشْرٰی لِلْمُحْسِنِیْنَ اور نیکی کرنے والوں کو بشارت دیتا ہے کہ نیکی کا انجام نیک ہے۔ کتنی انسانی مزاج کے مطابق بات کرتا ہے۔ اگر گناہ پر بخشش کے وعدے کرتا تو نیکی پہ گرفت کی خبریں دیتا تو یہ انسانی مزاج کے خلاف بات ہوتی کہ جو اچھا کام کر رہا ہے اُسے سزا کیوں ہو اور جو برائی کر رہا ہے اُسے انعام کیوں ملے گا۔ لیکن نہیں قرآن کریم برائی پر دوسروں کو ایذا دینے پہ دوسرے کا حق مارنے پر، جھوٹ بولنے پر، ظلم کرنے پہ عذاب کا خوف دیتا ہے اور ہر نیکی پر انعام کی خبر دیتا ہے۔ عین مزاج انسانی کے مطابق۔ اگلی آیت اس کا حل بتاتی ہے جو مسئلہ سارے انسانوں کے سامنے ایک دیوار بنا ہوا ہے اور وہ یہ ہے۔ رب کریم فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے ثُمَّ اسْتَقَامُوْا صرف کہتے نہیں اُس بات پر ڈٹ جاتے ہیں وہ کبھی گمراہ نہیں ہوتے۔ یعنی ایک بات ہے فطری طور پر انسان میں کہ میں دانا ہوں، میں عقلمند ہوں، میں خُوب سمجھتا ہوں۔ لیکن یہاں آکر جب وہ عظمتِ باری سے واقف ہوتا ہے تو اقرار یہ کرتا ہے کہ میں اپنی ضرورتوں سے بھی اتنا واقف نہیں ہوں۔ جتنا میری ضرورتوں سے میرا رب واقف ہے اُس نے اپنا سارا عقل اپنا سارا فخر نچوڑ کر یہاں ڈھیر کر دیا۔ دیکھیں نا کتنی عجیب اصطلاح ہے۔ اَلَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ، اللہ ذاتی نام ہے لیکن رب صفاتی نام ہے۔

رب کا معنی ہے تربیت کرنے والا، پالنے والا، ضروریات کو پورا کرنے والا اور رب کا مفہوم وہ ادا کیا جاتا ہے کہ جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت کو ہر وقت ہر آن میں جانتا بھی ہو پورا کرسکتا بھی ہو اور پورا کر رہا بھی ہو۔ اُسے آپ رب کہتے ہیں۔ اب جو شخص سارے کمالات چھوڑ کر اس بات پہ آجاتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ یعنی میری ساری ضروریات خواہ وہ مادی ہیں، روحانی ہیں، مذہبی ہیں، عقیدے کی ہیں میری ذاتی ہیں، خانگی ہیں، معاشرتی ہیں یا ملکی ہیں قومی ہیں یا بین الاقوامی ہیں اُن سب سے میرا اللہ ہر آن واقف ہے پوری کرنے پر قادر بھی ہے اور پوری کر رہا بھی ہے تو پھر اَب کیا ہوگا۔

اَب ہوگا یہ کہ اب پانی پینے سے لے کر، سونے جاگنے سے لے کر

حکومت کرنے تک اپنی ہستی کو علیحدہ کرے۔ کیونکہ یہ تو کمزور ہے۔ اس سے زیادہ تو میرا رب جانتا ہے۔ پھر عقل صرف جان سکتی ہے اُسے پورا نہیں کرسکتی۔ اب پورا بھی کرسکتا ہے تو ایمان کیا ہوگا کہ انسان کا ہاتھ پکڑ کر رب العالمین کی بارگاہ میں لے جاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اے میرے رب میری ضرورتوں کو تو جانتا ہے میری حاجتوں کو تو جانتا ہے۔ میرے آرام اور آسائش سے تو آگاہ ہے۔ میرے نفع اور نقصان کو تو جانتا ہے۔ اب مجھے بتائیں کیا کروں۔ یہ فیصلہ کرنے کے بجائے کہ وہ خود فیصلہ کرے مجھے کیا کرنا ہے۔ پھر وہ فیصلہ لیتا ہے بارگاہِ الوہیت سے مجھے کب سونا ہے مجھے کب جاگنا ہے مجھے کس طرح سے کمانا ہے مجھے کس طرح سے خرچ کرنا ہے کیسے لوگوں سے دوستی کرنی ہے کیسے لوگوں سے دشمنی کرنی ہے۔ اگر دوستی کرنی ہے تو اُس کی حدود کیا ہوں، اگر دشمنی کرنی ہے تو اُس کا انداز کیا ہوگا۔ میں کیسے کرسکتا ہوں۔ یہاں وہ اپنا عقل چھوڑ دیتا ہے کیونکہ اُسے اپنے عقل سے بہت ہی برتر اعلیٰ ایک ایسی ذات سے تعلق نصیب ہو جاتا ہے جو اس کے عقل سے بالاتر ہے۔

اس عقل سے صرف اس حد تک سوچنا ہے کہ میں کس دروازے پر جاؤں۔ جب یہ عقل اس کو اللہ اور اللہ کے رسول کے دروازے پہ پہنچا دیتی ہے اس کا کام پھر صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ یہ وہاں سے احکام حاصل کرے۔ اِس وجود پہ نافذ کرے۔ اللہ فرماتے ہیں اگر یہ بات ہو جائے تو آدمی ہدایت پا گیا۔ اگر یہ بات نہیں ہے اور اُسے فخر ہے اپنے ذہن پہ تو فرمایا پھر ہدایت نصیب نہیں پھر اُس کے سامنے اُس کی انانیت اُس کا اپنا ذاتی تفاخر اور ذاتی بڑائی کا جو وہم ہے اُس کا وہ ہمیشہ دیوار بن کر کھڑا رہے گا۔ پھر اُسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اب آپ دیکھیں بالکل یہی معاملہ اہل اللہ سے اور صوفیا ر حضرات سے ہوتا ہے اور اس سبب سے جاہلوں کے دروازوں پہ جاکر لٹتے ہیں۔ چوروں کے ہاتھوں لٹتے ہیں۔ دین بھی خراب کرتے ہیں۔ دنیا بھی۔ اِس لیے کہ وہ اپنے دماغ سے فیصلے کرتے ہیں۔ اُن کا دماغ اُن کو بتاتا ہے کہ فلاں شخص کے پاس جاؤ تو تمہیں دولت ملے گی فلاں جگہ جاؤ تو تمہیں اولاد ملے گی، فلاں جگہ جاؤ تمہیں یہ دنیاوی نعمت مل جائے گی۔ یہ فیصلہ اُن کا عقل دیتا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں آتے ہیں تو خدا فرماتا ہے اولاد دینا نہ دینا، صحت دینا نہ دینا یہ میرا کام ہے میں کرتا ہوں۔

اور اب اگر وہ فیصلہ لیتے ہیں اللہ کی کتاب سے تو ان چیزوں سے یکسر بیگانہ ہو جاتے ہیں۔ آپ دیکھیں اگر صحابہ کرام یہ سوچتے کہ حضور پہ ایمان لانے سے ہمیں صحت دولت اور عظمت ملنی چاہیئے تو کی زندگی میں انہیں کچھ بھی نہیں ملا جو کھاتے پیتے تھے اُن کو انہوں نے گھروں سے نکال دیا مفلس ہوگئے صحت مند جو تھے اُن کے سینے پہ گرم پتھر رکھ کر داغ دیا۔ اُن کی پشتوں کو جلا دیا کہ کوئی سلامت نہ رہے جو آزاد تھے انہیں قید کر دیا کونسی دنیا کی تکلیف ہے جو انہیں برداشت نہیں کرنا پڑی۔ اب اگر یہ دماغ سوچتا ایک آدمی اچھا بھلا گھر میں بیٹھا ہے کھاتا پیتا ہے۔ آرام ہے امیر ہے مکہ کا رئیس ہے اُسے یہ سب کچھ برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے سے کیا کمایا۔ لیکن اُن کا معیار دنیا نہیں تھا۔ اُن کا معیار یہ تھا کہ اس دامن کو ہاتھ میں لینے سے کیا ہمیں رب العالمین کا قرب نصیب ہوتا ہے کہ نہیں اور وہ انہیں اس درجہ نصیب ہوا کہ گرم ریت پہ خون جل رہا ہے گوشت جل رہا ہے سینے پر پتھر ہیں۔ گرم سلاخوں سے داغے جا رہے ہیں تو کہتے ہیں ہم دیکھ رہے ہیں انکار کیسے کرسکتے ہیں۔ ہے ہی واحد ہم اُس کی بارگاہ میں ہیں۔ وہ ہمارے پاس موجود ہے تمہارے کہنے سے انکار کیسے کردیں۔

یعنی یہ تھی وہ دولت جو دامانِ نبوت سے انہیں نصیب ہوئی کہ دنیا کا کوئی ظلم انہیں اللہ کے دروازے سے ہٹا نہیں سکا۔ یار کیا اُن کا دماغ خراب ہوگیا تھا کہ ساری دنیا کی نعمتیں چھوڑ دیں۔ مار کھاتے ہیں، پٹتے ہیں۔ تکلیفیں برداشت کرتے ہیں لیکن کہتے ہیں اللہ واحد ہے۔

انہیں وہ تیقن نصیب ہوگیا تھا وہ اُس حد تک اللہ کے قریب ہو گئے تھے کہ وہ کہتے کہ اللہ واحد ہے حاضر ہے۔ کچھ بھی ہو جائے یہ حقیقت تو ہم پہ واضح ہو چکی۔ اب ایک ہی زندگی کا آپ دوسرا پہلو دیکھیں۔

ہماری مسلمانوں کی ایک بدقسمتی یہ بھی ہے کہ ہم صحابہ کے مصائب تکالیف بھوک، پیاس بیان کرتے ہیں لیکن بہت کم اُن کی آسودہ حالی کی باتیں کرتے ہیں۔ مجھے افسوس ہوتا ہے اس بات پر کہ ہم لوگوں نے ہم سے میری مراد مقررین حضرات ہیں۔ ہم تقریریں کرنے والوں نے اسلام کا ایسا سکیچ بنا دیا ہے کہ مسلمان کو بھوکا، مفلس اور قلاش ہونا چاہیئے اُس کے پاس اچھا کپڑا، اچھی موٹر، اچھا مکان نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ دنیا تو حق ہی مسلمان کا ہے۔ کافر جو کھا رہا ہے مسلمان کے طفیل کھا رہا ہے چونکہ جب دنیا پہ کوئی شخص اللہ اللہ کرنے والا نہ رہے گا۔ دنیا فنا کر دی جائے گی۔ کافروں کے لیے یہ سجی ہوئی نہیں ہے۔

نبی رحمت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا حضور قیام قیامت بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا حتیٰ لا یقال اللہ اللہ کہ اگر یقین اور پکا یہ جاننا چاہتے ہو کہ عین خاص وقت بتا دیا جائے تو جب دنیا پہ اللہ اللہ کرنے والا کوئی نہیں رہے گا تو یقینی وقت ہوگا۔ یعنی یہ ذکر الٰہی یہ اللہ اللہ یہ نور ایمان یہ ارض وسما کی روح ہے جس طرح جسم سے روح نکلتی ہے تو یہ فنا ہو جاتا ہے، ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح جب اللہ اللہ زمین و آسمان سے نکل جائے گی انسانوں میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہیں رہے گا تو سمجھ لو زمین و آسمان کی روح نکل گئی۔ تو جس کی خاطر یہ سب کچھ قائم ہے وہ اس کو استعمال کیوں نہ کرے۔ اسی لئے جب دنیا کی کوئی تکلیف اُنہیں حضور کی اطاعت سے نہ ہٹا سکی تو زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا۔

پھر وہ مٹھی بھر سرفروشوں کے سامنے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اگرچہ میرا علم محدود ہے لیکن جہاں تک میری نگاہ پڑتی ہے بیک وقت اتنی بڑی حکومت سوائے صحابہ کے پوری معروف تاریخ انسانی میں کسی حکمران کے پاس نہیں دیکھی۔ جو حدود وار لبعہ چھوڑ کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ شہید ہوئے۔ اُس کی سرحدیں چین سے لے کر جنوبی افریقہ تک اور ہسپانیہ سپین سے لے کر ہندوستان تک۔ دنیا کے نقشے پہ اتنی بڑی سلطنت آپ کسی اور حکمران کے پاس نہیں دکھا سکتے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جب اتنی دنیا اُن لوگوں کے ہاتھوں پر فتح ہوئی۔ قیصر و کسریٰ کے خزانے تھے روما کے خزانے تھے۔ یمن کے خزانے تھے اور جنوبی افریقہ کی دولتیں شامل تھیں۔ مصر کی دولتیں شامل تھیں چین تک اور سائبیریا تک اور تمام ریاستوں کے خزانے شامل تھے۔ پھر جو خزانہ آتا تھا بیت المال میں جاتا تھا یا پانچواں حصہ اور چار حصے مجاہدین میں بٹ جاتے تھے۔ ایک ایک صحابی ارب پتی تھا کروڑ پتی نہیں ارب پتی تھا۔

بڑا مجھے دکھ ہوتا ہے جب کہتے ہیں نا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ مسجد میں بیٹھے تھے اور سوکھے ٹکڑے پانی میں بھگو رہے تھے، کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ ارے اللہ کے بندے حضرت علی کی زمین جو تھی اُس کی حدود ایک حکومت جتنی اُن کے حصے میں غنیمت میں آئی تھی۔ حضرت علی کے ایک بیٹے حضرت حسنؓ نے ایک عورت سے نکاح کیا تو اُس کو حق مہر میں اَسی کنیزیں دیں۔ ہر کنیز کے ہاتھ پر سونے کا تھال تھا۔ ہر تھال میں اَسی ہزار دینار تھے یہ مفلس اور قلاش لوگ کرتے ہیں ....؟

یہ ساری سہولت اللہ نے اُن کے قدموں پر نچھاور کر دی پوری زمین کے خزانے صحابہ کرام کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ گورنر تھے۔ اسی مدینہ منورہ کے اور فرماتے تھے جب میں گھر میں جاتا ہوں تو میرے پاؤں ٹخنوں تک قالینوں میں دھنس جاتے تھے وہ قالین جو مالِ غنیمت میں آئیں اور اُن کے حصے میں آئیں جو بڑے بڑے شہنشاہوں کے محلات سے آئی تھیں۔

فرماتے ہیں ٹخنوں ٹخنوں پاؤں دھنس جاتے تھے۔ پھر فرماتے ہیں۔ فرمایا کرتے تھے بخ بخ ابوہریرہ اپنی حالت کو یاد رکھ کہ تو اسی مدینہ کی گلیوں میں فاقوں کے ہاتھوں بے ہوش ہو جایا کرتا تھا۔

یعنی یہ ساری دولت انہیں صحابہ کو دنیا کی ساری دولت و حکومت مل گئی لیکن یہ دولت وحکومت بھی انہیں محمد رسول اللہ کے دامن سے علیحدہ نہ کر سکی۔ مزا تو اس میں ہے کہ اگر ان کو مفلسی اور مصیبت میں خدا سامنے نظر آتا تھا تو اس امارت وسلطنت میں بھی ان کی آنکھ اللہ کے دیدار سے بند نہیں ہوئی۔ یہ بھی انہیں کا حوصلہ ہے کہ اکیلے فاروق اعظم کے زمانے میں بائیس لاکھ مربع میل علاقہ فتح ہوا اور فاتح لشکر شہروں، قلعوں اور وادیوں کو زیر نگیں کرتے چلے جاتے ہیں۔ پوری تاریخ میں ایک عورت کی آہ نہیں ابھرتی کہ مسلمان سپاہی نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ ایک بچے کی چیخ سنائی نہیں دیتی کہ کسی سپاہی نے تھپڑ مار دیا ہو۔ کسی بوڑھے کی آواز سنائی نہیں دیتی کہ مسلمان سپاہی نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے یہ کیوں یہ کیسے ممکن ہے کہ فاتح لشکر کے ہاتھ یوں باندھ دیں کہ مفتوح کے ساتھ زیادتی نہ کرے۔ صرف اس لیے کہ انہیں اللہ کریم اپنے روبرو نظر آتا ہے۔ صرف وہ کام کرتے تھے جس کے کرنے کی خدا اجازت دیتا تھا جہاں اللہ نے روک دیا ان کا ہاتھ رک گیا۔ خدا نے کسی نہتے پر تلوار اٹھانے کا حکم نہیں دیا تو نہیں اٹھائی اللہ کریم نے کسی کی آبرو لوٹنے کی اجازت نہیں دی وہ نہیں لوٹتے۔ اللہ نے کسی ضعیف العمر کو ایذا دینے کی اجازت نہیں دی وہ نہیں دیتے حتیٰ کہ کافروں کو بھی اگر انصاف نصیب ہوا تو صحابہ کرام کی سلطنت میں آکر۔ تو یہ وہ دونوں پہلو ہیں دنیا کے۔ جو جتنی تکلیفیں صحابہ پر آئیں تاریخ عالم میں کوئی قوم اس سے زیادہ مصیبت زدہ نظر نہیں آتی، ان کے بعد کسی قوم پر روئے زمین پر اتنا ظلم نہیں ہوا۔ وہ ظلم انہیں پیچھے نہیں ہٹا سکا۔ اس لیے کہ وہ روایتی خدا کو نہیں مانتے تھے وہ اس خدا کو مانتے تھے جس کی تجلیات ان کے چہروں پہ رقصاں رہا کرتی تھیں۔

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۔ یہ انہیں کی پیشانیاں تھیں جن پر اللہ کی ذاتی تجلیات ہمیشہ چمکا کرتی تھیں اور یہ اس قرب کا نتیجہ تھا کہ پوری دنیا کی فتوحات اور پوری دنیا کے خزانے۔

یہ ایک عجیب قوم ہے جو سونے اور جواہرات کو چھینیوں اور ہتھوڑوں سے توڑ کر بانٹتی ہے۔ تولنے کی نوبت نہیں آتی۔

ایران جب فتح ہوا ایک باغ آیا کسریٰ کا جو پورا باغ سونے کی زمین کا بنا ہوا تھا جس پہ سارے درخت اور جھاڑیاں سونے اور چاندی کے بنے ہوئے تھے۔ ان جھاڑیوں کے پتے قیمتی پتھروں جواہرات سے تراش کر بنے ہوئے تھے اور ان پر جو پھل لگا ہوا تھا وہ بہت دنیا کے نادر ہیرے تھے جو پھل کی شکل میں لگائے گئے تھے اور وہ پورا باغ بنا ہوا تھا۔ جس میں وہ کبھی کبھی چہل قدمی کیا کرتا تھا۔ مسلمانوں نے رسیوں سے ہاتھوں سے بالشتوں سے اسے ماپا کہ کتنے سپاہی تھے کتنے حصے بنتے ہیں۔ چھینیاں اور ہتھوڑے منگوائے۔ فاروق اعظم نے (اور تقسیم کر دیا) بڑے بڑے ظالموں کے تاج چھینیوں اور ہتھوڑوں سے کاٹ کر غربا میں تقسیم کر دیئے لیکن اسی سارے عمل میں کسی کی نماز قضا نہیں ہوئی۔ کسی سے روزہ نہیں چھوٹا کسی نے تکبر نہیں کیا کسی میں اکڑ نہیں آئی وہی خشوع وخضوع، وہی ورع وتقویٰ وہی نیکی اور پارسائی جو اس غریبی میں تھی مفلسی میں تھی۔ ہجرت میں تھی اس امارت میں سلطنت میں ریاست میں بھی وہی تھی۔

اتنا بڑا حکمران جس کے نام سے دنیا کے بڑے بڑے حکمران تھرا اٹھتے ہیں۔ کسی مفلس کو دکھ میں مبتلا دیکھتا ہے تو پھر اپنے کاندھے پہ اناج کی بوری اٹھائے چل دیتا ہے۔ دولت کے انبار تو ہیں لیکن ان کی حالت اور طبیعت میں تبدیلی نہیں آئی۔ نہ ظلم اور مصیبت بدل سکی نہ دولت اور ریاست بدل سکی۔

ایک دفعہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے قمیض بنوائی اور چھری منگوا کر اس کے بازو کاٹ دیئے۔ تو اس طرح لمبے تھے۔ بیٹے سے کہا تم یہاں سے پکڑو چھری سے کاٹ دی۔ انہوں نے عرض کی ابا چھری سے کاٹنے کا بھلا کیا تُک ہے۔ یہ عجیب ہے آپ قینچی سے کاٹتے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ لیکن ایک دفعہ میں نے حضور کو چھری سے کاٹتے دیکھ لیا۔

یعنی دنیا کی زمین کا بیشتر حصہ اُس شخص کے پاؤں کے نیچے ہے۔ قیصر و کسریٰ کے تاج اس کے پاؤں کی ٹھوکروں سے ٹوٹ کر بٹتے ہیں اور عشق نبی کا یہ حال ہے کہ اتنی معمولی سی بات کہ قمیض کا بازو کاٹنا ہے تو فرماتے ہیں۔ چھری سے کاٹنا ہے کہ حضور نے ایک دفعہ اس طرح کاٹا ہے۔ اب اس کا یہ مکلف نہیں ہے۔ اس پر کوئی شرعاً فرض یا واجب نہیں ہے۔ لیکن اُس کا دل نہیں چاہتا کہ میں کوئی ایسی روش اختیار کروں جو حضور کے طریقے کے خلاف ہو۔

یار چھوٹی سی بات ہے۔ ایک صحابی کھانا کھانے بیٹھے۔ کتنی چھوٹی سی بات ہے۔ اُن کا نوعمر سا بچہ تھا۔ دسترخوان پر جب بیٹھے تو کدو پکا ہوا تھا تو اس نے ناراض ہو کر والدہ سے کہا کہ یہ کدو بھی کوئی سبزی ہے کوئی اچھی سی چیز نہیں پکا سکتی آپ۔

توانہوں نے تلوار کھینچ لی اور ماں درمیان میں ہے بچہ ایک طرف ہے باپ چھوڑتا نہیں کہ میں اس کا سر قلم کروں گا۔ بات بھی بتاؤ بات کیا ہوگئی یا تو اتنا پیارا ہے کہ اس کے بغیر کھانا نہیں کھاتے یا قتل کرنے پہ تُل گیا۔ بات کیا ہے وہ کہنے لگے میں نے دیکھا ہے، حضور کدو کو پسند فرماتے تھے یہ کہتا ہے کدو کونسی سبزی ہے۔ اب اُس بچے کو یہ علم نہیں ہے کہ حضورﷺ سے پسند فرماتے تھے۔ لیکن کتنا گہرا تعلق ہے اُس کا اولاد کی گردن اُڑانے پہ اس لیے تیار ہے کہ کدو کو کہتا ہے کہ کدو اچھی سبزی نہیں ہے۔ بڑی مشکلوں سے وہ راضی ہوئے تو اس بات پہ کہ آئندہ ساری زندگی یہ میرے پاس بیٹھ کر دسترخوان پر کھانا نہیں کھائے گا۔ میں اسے جب دیکھوں مجھے یہ بات یاد آجاتی ہے۔

یعنی نہ مفلسی، نہ مصیبت انہیں ہٹا سکی اور نہ دولت و اقتدار۔ دولت کمانا منع نہیں ہے، روئے زمین کی دولت کماؤ لیکن حضور نے تجھے اللہ کے دروازے پہ کھڑا کر دیا۔ اپنے اللہ سے پوچھ کر کماؤ کہ کیسے کمانے کی اجازت ہے۔ کماؤ اچھا گھر بناؤ، اچھا لباس پہنو، اچھی موٹریں رکھو۔ لیکن اُن حدود کے اندر جن کی اجازت تمہیں تمہارا رب العالمین دیتا ہے اور اگر رب العالمین سے یہ تعلق نصیب نہیں ہوا تو اپنی مسلمانی پر نظر ثانی کرو یہ موقع ہے کہ کیا ہم مسلمان ہیں بھی یا نہیں!

اب میں عرض کروں یہ جو پیری مریدی ہے یہ کیا مصیبت ہے مسلمانوں پر۔ یہ مصیبت نہیں ہے۔ ہر پیر اُن انوارات کا امین ہوتا ہے جو حضور نے بانٹے اور جن سے دلوں نے روشنی پا کر اپنے کو اللہ کے روبرو دیکھا۔ پیر کا کام ہمارے مویشی چرانا نہیں ہے۔ پیر کا کام ہمارے بچے کھلانا نہیں ہے۔ پیر کا کام ہماری بیماری کو ماپنا نہیں ہے۔ پیر کا کام ہمارے لیے آٹا پسوانا ہرگز نہیں ہے روزی کافر کو بھی ملتی ہے، مومن کو بھی ملے گی۔ صحت و بیماری کافر کو بھی ملتی ہے مومن کو بھی۔ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ سوائے پیر کے ملے گی۔ پیر کی ضرورت ہے۔ اُس جمال باری کو دیکھنے کی جس نے صحابہ کو یہ قرب الٰہی عطا کر دیا کہ وہ مصیبت میں حضور کے دروازے سے جدا ہوتے ہیں اور نہ راحت و اقتدار میں حضور کا دامن چھوڑتے ہیں۔

اگر ہم نے عقل سے کام لیا تو عقل نے کہا کہ فلاں قبر پر جاؤ تمہاری جگہ وہ زمین میں ہل چلا دے گا۔ ارے گدھے وہ دنیا سے رخصت ہو چکا۔ اپنے دُنیا کے کاموں کا وہ مکلف نہیں ہے۔ تیری دنیا کے لیے کیا مصیبت ہے کہ وہ برزخ سے اُٹھ کر تیرے کام کرے۔ اُسے مصیبت کیا ہے۔ یعنی اُس کی دنیوی زندگی پوری ہو گئی۔ اگر نیک تھا ولی اللہ تھا اُس نے اپنی دنیوی زندگی بڑی محنت بڑے مجاہدے بڑی مشقت کے ساتھ اللہ کی اطاعت میں بسر کی جب وہ یہاں سے چلا گیا تمہارے لیے پھر آکر دنیوی زندگی اختیار کرے گا۔ اب پوچھیئے نبی رحمت سے کہیں

اُس کے پاس کیوں جاؤں۔ تو فرماتے ہیں کہ وہاں جاکر اگر تجھے اللہ یاد آجائے تو تو نے خزانہ پالیا۔ لیکن اگر یہ بات نصیب نہیں ہوتی تو دربدر بھٹکنے کا کیا فائدہ کچھ نہیں ہوگا۔

ایک جگہ بڑی عجیب بات ہوئی۔ ہمارے ایک ساتھی تھے۔ پچھلے دنوں فوت ہوگئے اللہ انہیں غریقِ رحمت کرے۔ پرانے ساتھیوں میں سے باقی تھے اب ایک آدھ رہ گیا ہے انہیں لاہور جانا تھا کسی کام سے۔ حضرت سے اجازت لے کر گئے۔ حضرت کی عادت عجیب تھی۔ بہت سادہ مزاج تھا آپ کا۔ آپ نے فرمایا۔ یار لاہور جا رہے ہو۔ داتا صاحب کے مزار پر ضرور جانا۔ میری طرف سے بھی السلام علیکم کہنا۔ تو لاہور گیا مزار پر چلا گیا۔ واپس آیا۔ میں بھی وہاں بیٹھا تھا مسجد میں۔ وہ آگیا اُس نے کہا حضرت میں لاہور گیا تھا (صاحب کشف تھا صاحبِ حال تھا) داتا صاحب کے مزار پر گیا وہاں تو بڑی خباثت ہے۔ سجدہ کر رہے ہیں، کوئی قبر کو بوسہ دے رہا ہے۔ کوئی خدا کے بجائے داتا صاحب سے دعا کر رہا ہے حضرت صاحب مُسکرائے کہ تو نے داتا صاحب سے بات نہیں کی۔ کہنے لگا عجیب بات ہوئی ہے کہ میں نے بات کی ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت اللہ نے آپ کو اتنی عظمت دی اتنے بلند منازل ہیں آپ کے لوگ کفر اور شرک میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ آپ انہیں منع نہیں کرتے تو فرمایا فرمانے لگے کہ جب میں دُنیا میں تھا تو میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ اَب میں دنیا سے چلا آیا ہوں۔ اب ان سجدوں کے بارے خدا تم سے پوچھے گا جو دنیا میں موجود ہو۔ میں تو مکلف ہی نہیں ہوں، تبلیغ کی مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ میں تبلیغ کروں۔ اس کے مکلف تو تم ہو جو دنیا میں ہو۔ وہ بالکل ان پڑھ آدمی تھا۔ کتنی قیمتی بات کی کتنی علمی بات تھی۔ واقعی اتنے اولوالعزم ولی اللہ کو یہی شان زیبا ہے کہ ایسی بات کرے۔

یعنی جو شخص دنیائے دارالتکلیف سے چلا گیا اُس سے اگر تم اللہ کا نور حاصل کرنا چاہو تو یہ تو خود اس کی برزخ میں خوراک بھی ہے اور یہ ایسی دولت ہے جو بٹنے سے بڑھتی ہے لیکن اگر اُسے دنیا میں گھسیٹنا چاہو تو یہ رب کا دروازہ کس لیے ہے۔ جسے تم رب کہتے ہو وہ تمہارے کس مرض کی دوا ہے یا پھر اللہ کی نفی کر دو۔ ہم اللہ کو اللہ تو مانتے ہیں اُس کی عبادت تو کرتے ہیں لیکن اُس کو اب نہیں مان سکتے۔ یعنی ہماری ضرورتیں پوری نہیں کر سکتا۔ اگر کرنا ہے کر سکتا ہے تو کسی دوسرے کے سامنے حاجت کے لیے ہاتھ پھیلانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو اللہ کی توہین ہوئی۔ اُس کا بندہ ہو، اس کے دروازے پر کھڑا ہو۔

اَب میرا یہاں مہمان آئے۔ میں بھی یہاں بیٹھا ہوں، وہ بھی یہاں بیٹھا ہے کسی سے کہے کہ شام کو اللہ کے نام پر میرے لیے کھانا بھیج دینا۔ اس سے زیادہ میرے ساتھ توہین آمیز رویہ وہ کیا کرے گا۔ حالانکہ میں ایک عاجز انسان ہوں۔

تو جو اللہ کے روبرو بیٹھنے کا مدعی ہو اور شام کا کھانا مخلوق سے مانگے۔ خدا کے روبرو اس سے بڑی گستاخی اور کیا ہوگی۔ اللہ کریم فرماتے ہیں یہ عقل کے کرشمے ہیں اور اگر عقل کو لا کر ڈھیر کر دو حضور کے قدموں میں یعنی عقل سے تلاش کرو محمد رسول اللہ کو عقل سے تلاش کرو صداقت نبوت کو عقل سے تلاش کرو نورِ نبوت کو اور جب وہاں پہنچتے ہو تو عقل کو چھوڑ دو اور نورِ نبوت پہ ہاتھ رکھ لو اللہ کے روبرو کھڑے ہو جاؤ پھر وہاں سے رہنمائی حاصل کرو گے تو پھر ہدایت پا جاؤ گے۔ جب حال اللہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

دنیا کے ایک ایک ٹکے کے پیچھے ذلیل ہونے والے کہتے ہیں کہ یہ بے وقوف ہے اور یہ نہیں سوچتے کہ امت مرحومہ کی چودہ سو سال تاریخ میں جتنے متقی اور جتنے ورع اور تقویٰ سے مزین اولوالعزم بڑے بڑے جابر حکمرانوں کے سامنے نہ جھکنے والے جرأت مند نیک خصال باحیا اور قیمتی انسان گزرے ہیں۔ وہ تو سارے ایک سلاسل تصوف میں موجود ہیں۔ ؎

ہمہ شیران جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند

تو کیا یہ سارے معاذ اللہ بے وقوف تھے جاہل تھے نادان

تھے اور آج کا ایک ٹکے ٹکے پر بکنے والا آدمی عقلمند ہے آج کا وہ آدمی جس کے پاس آبائی تہذیب تک نہیں ہے آج کا وہ آدمی جو غیروں کی طرح کھاتا ہے غیروں کی طرح سوتا ہے، جاگتا ہے غیروں کی طرح مرتا ہے پیدا ہوتا ہے جس کی اپنی کوئی آبائی شناخت ہی نہیں رہ گئی یہ عقلمند ہے۔ اور اتنے اتنے اولوالعزم لوگ جو ہیں، معاذاللہ بے وقوف ہیں۔ بالکل وہی بات۔

ھذا افک یہ بالکل قصے کہانیاں ہیں۔ یہ عرصے کے واقعہ ہیں یہ فضول ہیں اور پھر اگر قائل ہو جائیں گے تو اپنے سے بھی گئے گزرے انسان سے۔ تم ستھرے کپڑے تو پہنتے ہو لیکن جسے نجاست اور پاکیزگی کی تمیز بھی نہیں ہے کپڑے غلاظت سے آلودہ ہیں کھانے پینے حلال حرام کی پرواہ نہیں ہے اُسے مرشد بنا لیتے ہیں۔ یہ بڑا صاحب کرامت ہے ہاں بھئی کرامت تو اُس کے حلیے سے ظاہر ہے یعنی جو شخص اپنے وجود کو نہیں سنوار سکتا وہ اپنی روح کو سنوارے گا؟ کتنا ایک نازک کام ہے یہ فیصلہ عقل کرتی ہے اور جب فیصلہ قرآن پہ آتا ہے تو قرآن محدود کر دیتا ہے۔ سارے کمالات کو محمد رسول اللہ کی اطاعت میں۔

سب سے بڑا کمال کسی بھی شخص کا یہ ہے کہ وہ کتنا حضور کی غلامی کرتا ہے سب سے بڑا کمال یہ ہے تو یہ ہے وہ قرآن حکیم کا تبلیغی انداز۔ قرآن نے ایک وجہ بیان کی کہ کچھ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے جبکہ انبیاء کی صداقت بڑی واضح ہے۔ قرآن کی صداقت بڑی واضح ہے۔ پھر لوگ کیوں نہیں مانتے اس لیے کہ اللہ کی عظمت سے آشنا نہیں ہیں۔ دعویٰ کرتے ہیں بعض لوگ اُس پر قائم نہیں رہتے۔ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے لیکن تھوڑی تھوڑی چیزوں کے پیچھے اللہ کا دروازہ چھوڑ دیتے ہیں۔ ایک شخص اللہ کی عبادت کے لیے نہیں اٹھتا۔ دکانداری یا کاشت کاری یا زمینداری کو نہیں چھوڑتا تو اُس کا رب اس کا اللہ نہیں ہے اس کا رب اس کی خواہش ہے۔ دکان ہے اُس کا وہ کاروبار ہے اگر اللہ پہ اعتبار ہو تو جب اللہ نے حکم دے دیا کہ اپنا کام چھوڑ دو چند لمحے عبادت کے لیے آجاؤ اور یہاں سے فارغ ہو کر کام شروع کر دو تو اللہ کی ربوبیت پہ اعتبار ہو گا تو فوراً اُٹھ جائے گا۔

ایک تھا ڈاکٹر ادریس سیالکوٹ میں اللہ انہیں غریقِ رحمت کرے۔ کئی سال ہو گئے فوت ہو گئے بہت چوٹی کے ڈاکٹر تھے بڑے بڑے لوگ اُن کے پاس جاتے تھے۔ نسخہ لکھ رہے ہیں تو مؤذن نے اللہ اکبر کہہ دی تو فوراً چھوڑ دیا۔ اب کوئی پیٹ کے مرجائے یہ چٹ پوری کر دو تو کہتے تھے نہیں۔ اللہ کے دروازے پہ کھڑا اللہ کا بندہ کہہ رہا ہے کہ ڈاکٹر ادریس تجھے اللہ نے یاد فرمایا ہے۔ اگر میں اُسے چھوڑ دوں میرے لیے کوئی ہے دنیا میں جائے پناہ۔ یعنی مؤذن کی اللہ اکبر کو وہ کہتے تھے مجھے یوں سنائی دیتا ہے کہ کہتا ہے ڈاکٹر ادریس آجاؤ اللہ تجھے یاد فرما رہا ہے نہ بھلا اس سے آگے کوئی بات۔ وہ شخص وہیں قلم رکھ دیتا تھا۔ نماز باجماعت ادا کر کے فوراً واپس آجاتے۔ یہ وہ حالت جو اللہ کو رب ماننے سے حاصل ہوتی ہے۔ میری روزی نسخہ میں نہیں ہے۔ یہ میرا پیشہ ہے اللہ نے مجھے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ وقت پہ ضرور کروں گا۔ لیکن اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر نہیں اُس کی اطاعت کی حدود کے اندر۔

اور اب کسی پیر کا کسی شیخ کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ کے دروازے پہ کھڑا کرے۔ اولادیں نہیں لینی ہیں جس نے خود ساری زندگی شادی نہیں کی۔ لوگوں کو وہ کیا دیں گے کیا اہل اللہ کی فہرست میں ایسے لوگ نظر نہیں آتے جنہیں ساری زندگی گھر نصیب نہیں ہوا۔ نہیں کہاں سے دیں گے۔ ایسے لوگ نہیں آتے۔ جنہیں قیمتی لباس نصیب نہیں ہوا تو ہمارے لیے دولت کہاں سے دیں گے۔ ہمیں اُن سے دولت گھر بیوی اولاد لینا ہے۔ یہ تو یہودیوں کو بھی مل رہے ہیں۔ ہندوؤں اور سکھوں کو بھی مل رہی ہے کافر کو بھی مل رہی ہے۔ اگر ہمیں بھی یہی کچھ ملا تو کافر اور مومن میں امتیاز کیا ہوگا۔

ہمیں تو میاں اُن سے وہ جمال چاہیئے جو ہمیں اللہ کی بارگاہ

باقی صفحہ ۳۷ پر ملاحظہ فرمائیں

فضائل رمضان المبارک

مولانا محمد اکرم اعوان

رمضان المبارک کے بے شمار فضائل میں ایک بہت بڑی فضیلت یہ ہے کہ اس ماہِ مبارک میں اللہ کے کلام کا نزول ہوا۔ اور نزولِ کلام صاحبِ کلام کی تجلیات کا حامل ہے۔ کوئی بھی کلام متکلم کے اثرات سے خالی نہیں ہوتا۔ کلام کرنے والے کی ذات کا اثر ذات کا پرتو اُس کے الفاظ میں موجود ہوتا ہے تو کلام باری کا نزول امین ہے اُن کیفیات کا اُن تجلیات کا جو اُس کلام کا خاصہ ہیں جن کے سمیت یہ نازل ہوا اور میں نے عرض کیا تھا۔ اگر ہم رمضان المبارک کے فضائل پڑھیں اور جو روز علماء سے ہم سنتے ہیں تو اُس اعتبار سے جس مسلمان کو رمضان المبارک نصیب ہوتا ہے یا رمضان المبارک کا ایک روزہ نصیب ہوتا ہے۔ وہ اتنا خوش قسمت ہے کہ اس کے سارے گذشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ آئندہ کے لیے بھی اُس کا تعلق ذاتِ باری سے قائم ہو گیا اور رمضان المبارک کے طفیل اُسے اوصافِ ملکوتی نصیب ہو گئے لیکن نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ رمضان پر رمضان گزرتے جا رہے ہیں۔ لیکن قومی اعتبار سے ہر آنے والا دن ہمارے لیے پہلے کی نسبت بُرا ثابت ہو رہا ہے۔ امانت دیانت عقیدے اور عمل ہر اعتبار سے آنے والا دن پہلے کی نسبت بدتر ثابت ہو رہا ہے کیوں؟

ایک دفعہ ایک بڑی خوبصورت بات کہی گئی تھی۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم نے کہی تھی کہ کاش ہمارے ملک کے وہ لوگ ہی سدھر جائیں جو ہر سال حج کر کے آتے ہیں۔ اگر وہ لوگ جنہیں ہر سال حج نصیب ہوتا ہے۔ اُنہی کی اصلاح ہو جائے اور وہی اسلامی اشعار اپنا لیں تو ان گذشتہ پچاس سالوں میں ملک کا تقریباً ہر تیسرا آدمی حج کر چکا تو کتنی بڑی تعداد بنتی ہے لیکن کتنے لوگ ہیں جن کو اس دوا سے شفا نصیب ہوا۔ حالانکہ حج کتنی بڑی سعادت ہے کہ زندگی میں صاحبِ استطاعت پر ایک بار فرض ہے۔ گویا جسے ایک بار حج نصیب ہو گیا اُسے حاجت باقی نہیں رہتی اور اُس کی کامل اصلاح ہو جاتی ہے لیکن ہماری نہیں ہو پا رہی۔

یہی حال رمضان المبارک کا ہے۔ ہم اس کے فضائل سنتے ہیں گنتے ہیں، پڑھتے ہیں اور اُسی پر گزارا کرتے رہتے ہیں کہ یہ ساری چیزیں ہمیں نصیب ہو گئیں۔ لیکن ایک بات یاد رکھیئے۔ بیمار اور صحت مند انسان میں ایک فرق ہوتا ہے۔ بیمار انسان کو آپ اچھی غذا بھی دیں اُس کا کھانے کو جی نہیں چاہتا اور اگر کھالے تو وہ اُس کے لیے اُس کی بیماری کو بڑھانے کا سبب بن جاتی ہے۔ صحت مند آدمی کو آپ روکیں بھی تو وہ نہیں رکتا وہ کہتا ہے مَیں بغیر غذا کے مر جاؤں مجھے کھانا کھانا ہے مجھے بھوک لگی ہے مَیں کھاؤں گا مجھے کیوں روکتے ہیں۔ اس طرح اللہ کی رحمت جب شاملِ حال ہو رمضان کی برکتیں نصیب ہوں۔

رمضان المبارک کے وہ فضائل جو ہم روز سنتے یا سناتے ہیں اُن میں سے حصہ نصیب ہو تو اس کا مطلب ہے کہ دینی اعتبار سے قلبی اعتبار سے

باطنی اعتبار سے ہمیں صحت مند ہو جانا چاہیئے اور صحت مندی کی دلیل یہ ہے کہ پھر ہمیں اللہ کی عبادت کی بھوک لگے ہمیں سچ بولنے کی بھوک لگے ہمیں دیانت داری کی بھوک لگے وہ اعمال جن کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے وہ غذا ہیں دین کے لئے عقیدے کے لئے عمل کے لئے ایمان کے لیئے تو ہم اُن پر جھپٹیں، ان کی طرف لپکیں اور اگر وہ قبول کرنے کو ہمارا جی نہیں چاہتا۔ اگر وہ ہمیں پسند نہیں آتے اگر ہم اُن کو اپنا نہیں سکتے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہماری صحت دینی اعتبار سے صحیح نہیں ہے اور وہ جو برکتیں وہ جو فضیلتیں رمضان المبارک کی ہیں وہ ہمیں نصیب نہیں ہو رہیں۔ کیوں کیا رمضان بدل گیا یا کیا وہ رمضان کو وہ برکتیں عطا کرنے والی ذات معاذ اللہ بدل گئی یا کوئی دین بدل گیا یا نبوت تبدیل ہوئی یا اللہ کی کتاب تبدیل ہوئی کچھ بھی تو نہیں بدلا اگر تبدیلی ہے تو صرف اور صرف ہم ہیں۔ ہم نے وہ استعداد کھو دی جو اُن فضائل کو حاصل کرنے کے لیے چاہیئے۔ رب جلیل نے ان آیات مبارکہ میں اس کا بڑا خوبصورت انداز سے تذکرہ فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط جسے یہ مبارک مہینہ نصیب ہو تو وہ اس کے روزے رکھے اور اگر کوئی مریض ہے یا سفر میں ہے اور وہ سمجھتا ہے روزہ اُس کے لیے مشکل ہے تو قضا کر لے۔ دوسرے دنوں میں رکھ لے چونکہ اللہ کریم تمہارے لیے دین کی صورت میں مشکلات پیدا نہیں فرمانا چاہتا۔ بلکہ دین اسلام تو زندگی کو آسان تر بناتا ہے اور یہ اس لیے بھی ہے کہ تمہیں یہ نعمت نصیب ہو اور تم یہ ایام پورے کر سکو تو اللہ کی بڑائی جی کھول کر بیان کرو۔ اُس کی عظمت اور اُس کی عنایت کے گیت گاؤ جس نے تمہیں ہدایت نصیب فرمائی اور تمہیں یہ توفیق بخشی کہ تم اُس کی نعمتیں حاصل کرو، اُس کے انعامات حاصل کرو۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تمہیں یہ نعمتیں نصیب ہوں گی۔ جب یہ فضیلتیں یہ برکتیں نصیب ہوں گی جب یہ سارے انعامات نصیب ہوں گے تو سوال یہ پیدا ہو گا کہ ہمیں انعامات کو ملیں تو ہمارا وہ مومن کہاں ہے جس نے ہم پر یہ مہربانی کی ہے وہ کون ہے وہ کہاں بستا ہے وہ کیسا ہے اصل سوال جو ساری برکات کے حصول کا مرکز ہے وہ یہ ہے اگر کسی کو ذات باری سے تعلق ہی نصیب نہیں ہوا۔ ذات باری سے ربط ہی نصیب نہیں ہوا اگر اپنے آپ کو اللہ کے حضور حاضر سمجھنے سے ہی محروم ہے تو اُس نے انعامات کیسے لیے۔ اگر کوئی سوچتے وقت اُس کی ذات کو اپنے پاس محسوس نہیں کرتا اگر کوئی عمل کرتے وقت اُس کی ذات کو اپنے قریب محسوس نہیں کرتا۔ اگر کوئی بات کرتے وقت اُس کی عظمت کو دھیان میں نہیں لاتا تو اُس نے کس سے انعام وصول کر لیے وہ کون سا منعم ہے جو اپنے منعم علیہ کے حال سے بھی واقف نہیں ہے وہ کون سی انعام بانٹنے والی ہستی ہے جنہیں وہ انعام دے رہا ہے۔ اُن کے حال کی بھی خبر نہیں یقیناً انعام کسی بات پہ دیا جاتا ہے اور اس بات کا علم انعام دینے والے کی ضرورت ہے اُسے خبر ہو کہ اُس نے کیا کیا ہے تو وہ اُسے انعام عطا کرتا ہے تو فرمایا یہ بڑا بنیادی سوال ہے۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي ۔ میرے بندے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے میرے بارے سوال کریں تو بڑا آسان سا جواب بتا دیجئے۔ فَإِنِّي قَرِيبٌ ط میں تمہارے پاس ہوں تمہاری ذات سے بھی تمہارے قریب تر ہوں۔ خود تمہارے شعور سے بھی میں تمہارے قریب تر ہوں۔ میں تمہاری اپنی ذات سے بھی تمہارے قریب تر ہوں تو عجیب بات ہے۔

ہمارے ایک دوست ہوا کرتے تھے سیالکوٹ کے اللہ انہیں غریق رحمت فرمائے۔ ڈاکٹر تھے بہت مزے کے آدمی تھے اُن کی پریکٹس بہت چلتی تھی بہت لوگوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ اُن کے پاس مخصوص اوقات میں وہ مطب میں بیٹھتے تھے۔ لیکن جیسے اذان کی آواز اُن کے کان میں پڑتی تھی تو وہاں قلم رکھ دیتے تھے خواہ کسی کا نسخہ وہ آدھا لکھ چکے ہیں آدھا باقی ہے تو وہ چٹ پوری نہیں کرتے تھے

اگر اُس پر دو حرف بھی لکھنے ہیں تو وہ چھوڑ دیتے تھے اور بھاگ جاتے تھے مسجد کو تو وہ کہتے تھے کہ جو یہ لکھ رہے ہو۔ اذان ختم ہونے سے پہلے تو یہ ختم ہو جائے گی پھر نماز تک وقفہ بھی ہوتا ہے۔ پوری کر کے جائیں فرماتے تھے نہیں بھائی مجھے محسوس ایسے ہوتا ہے جیسے میرا نام لے کر مجھے حکم دیا جا رہا ہے کہ آ کے میری بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ میں اللہ کا حکم چھوڑ دوں۔ حاضر ہو کر سجدہ کر کے نماز سے فارغ ہو کر پھر آ کر لکھوں گا۔ ایک دن علی الصبح میں ٹھہرا ہوا تھا سیالکوٹ ہوئے تو فرمانے لگے اللہ کریم تو ہر گھڑی ہر جگہ موجود ہے لیکن ہمیں کیوں پتہ نہیں چلتا۔ ہمارے درمیان کون سی دیوار ہے کہ ذاتِ باری تک ہماری رسائی نہیں ہوتی تو میں نے عرض کیا ڈاکٹر صاحب وہ دیوار ہم خود ہیں کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اب جو کام بھی انسان کرتا ہے کہتا ہے میں نے یہ کر لیا اس میں کو درمیان سے ہٹاؤ تو کون آئے گا کسی کو کچھ دیتے ہو کہتے ہو میں نے دیا ذرا میں کو ہٹا کر دیکھو۔ تو فرمانے لگے اب پتہ چلا کہ ہم خود ہی اپنے سامنے حجاب بنے ہوئے ہیں یہی بات یہاں ارشاد ہوتی ہے۔

کہ میں بھی تمہاری ذات سے بھی تمہارے قریب تر ہوں تو پھر بارہا ہم دعائیں مانگتے ہیں پوری نہیں ہوتیں ہم آہ و زاری کرتے ہیں تو اس کا کچھ نہیں بنتا۔ ہم پریشانیاں آتی ہیں ہماری کوئی نہیں سنتا تو اس کا کیا سبب ہے فرمایا نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔

اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ میری عظمت سے یہ بعید ہے کہ کوئی مجھے پکارے کوئی میری ذات کے سامنے دستِ سوال دراز کرے اور میں اُسے محروم رکھوں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ تو میری شان ہی کے خلاف ہے میں تو ہر پکارنے والے کی پکار قبول فرما لیتا ہوں۔ تو ہماری کسر کہاں رہ گئی۔

فرمایا یہ اپنی ذات سے پوچھو میرے ساتھ بات کرنے کے لیے میری عظمت کا اقرار ضروری نہیں ہے؟ میرے ساتھ ایمان ضروری نہیں ہے۔ میرے ساتھ بات کرنے والا اپنی بات میرے سامنے پیش کرتا ہے لیکن جو میں فرماتا ہوں اُسے سننے کے لیے تیار نہیں ہوتا اُس کی بات کیسے سنی جائے گی۔

فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ۔ لوگو تم بھی تو میری بات کو سنو اپنا سنوانا چاہتے ہو۔ مخلوق ہو کر عاجز ہو کر محتاج ہو کر اپنی منوانا چاہتے ہو جو تمہارا خالق ہے جو حاکم کل ہے جس کے انعامات کی کوئی حد ہی نہیں اُس کی سننا ہی نہیں چاہتے تو پھر تمہاری کیسے سنی جائے گی۔ بڑی سادہ سی بات رب جلیل نے ارشاد فرمائی کہ میں دور نہیں ہوں۔ میں چھپا ہوا نہیں ہوں۔ میں مجبور نہیں ہوں میں ہر آن ہر چیز پہ قادر ہوں۔ ہر گھڑی، ہر لمحے جو چاہوں کر سکتا ہوں ہر دعا مانگنے والے کی دعا سنتا ہی نہیں قبول کرتا ہوں لیکن تم مانگنا بھی تو سیکھو۔ تم اپنی امیدیں تو میری ذات سے وابستہ کر کے دیکھو تم اپنی توقعات کا مرکز مجھے بنا کر تو دیکھو تم میری بات بھی سنو تو سہی تم مجھے ویسا تو مانو جیسا میں منوانا چاہتا ہوں۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہر شخص ذاتِ باری کو بھی ویسا مانتا ہے جیسے اس کا اپنا جی چاہے ماننا ویسا چاہیئے جیسا وہ منواتا ہے۔

اللہ کی ذات کا انکار کوئی بھی نہیں کرتا جنہیں آپ کافر کہتے ہیں وہ بھی اللہ کو مانتے ہیں جنہیں آپ ہندو، سکھ یا عیسائی کہتے ہیں۔ وہ بھی اللہ کو مانتے ہیں جنہیں آپ آریا یا بے دین کہتے ہیں وہ بھی مانتے ہیں اور جنہیں آپ منکرینِ خدا کہتے ہیں اللہ کو وہ بھی مانتے ہیں۔ ماننا ہر کوئی اپنے انداز سے ہے جو ذاتِ باری کا انکار کرتے ہیں نا وہ غافل زمانے کو بتا دیتے ہیں۔ زمانے کے نام سے ملتے اُسی ذات کو ہیں کہ کوئی ہے اس فعل کو کرنے والا۔ اس کا فاعل کوئی ہے اس نظام کو چلانے والا کوئی ہے اس کے مانے بغیر اُن کا بھی چارہ نہیں لیکن اُسے مانتے اپنے انداز سے ہیں جو نہ ماننے کے برابر ہے۔ ہندو مانتا ہے۔ مہادیو مانتا ہے۔ سب دیوتاؤں سے بڑا دیوتا مانتا ہے لیکن اُس کے ماتحت کم از کم چھتیس ہزار دیوی اور دیوتا اس کے شریک کار بنا لیتا ہے۔ یہ اُس کا اپنا جی چاہتا ہے اُس انداز سے مانتا ہے لیکن اپنے انداز سے۔

پھر اسلام کیا ہے؟ اسلام یہ ہے کہ اللہ سے تعلق پیدا کریں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی معرفت اور اللہ کی ذات کو ویسا مانو جیسے اللہ اپنی ذات کو منواتا ہے جیسا وہ واقعتاً ہے جیسا اُس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو تعلیم فرماتا ہے۔ ہم تو ذاتِ باری کو ماننے کے بارے میں بھی اپنی ہانک رہے ہوتے ہیں۔ ہر شخص کی توقعات جُدا ہیں۔ ہر شخص کا ایک نظریہ اپنا سا ہے ہر شخص کے ماننے کے اُس کے انداز الگ ہیں ہر شخص کے پاس جب اقتدار آتا ہے، جب دولت آتی ہے جب طاقت آتی ہے، جب مفاد آتا ہے جب اُسے کسی چیز پر قوت حاصل ہوتی ہے تو اُس کے سامنے کوئی بڑی ہستی نہیں جس سے اُسے شرم دامن گیر ہو اُس کا کوئی معبود الٰہ نہیں جس کا اُسے خوف ہو کوئی اُس سے پوچھنے والا نظر نہیں آتا ہے جس کی پرسش کا اُسے ڈر ہو اور وہی شخص جب مجبور ہوتا ہے۔ پسِ دیوارِ زنداں چلا جاتا ہے۔ اُس وقت اُسے ہوش آتی ہے۔ اُس وقت وہ کہتا ہے نہیں ایک اللہ بھی تھا، ایک خدا بھی تھا اُسے پکارا جائے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔ میرے ساتھ یہ سودا ہے۔

میری رحمتوں کو حاصل کرنے کے لیے مجھے اپنی بات سنانے کے لیے میری بارگاہ میں اپنی درخواست پہنچانے کے لیے میرے ارشادات پر بھی کان دھرو۔ میرے احکام کو بھی مانو فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي بھائی تم بھی تو میری سُن لو۔ وَلْيُؤْمِنُوا بِي مجھے پہلے اپنا الٰہ تو قبول کرو۔ مجھے مانو تو سہی جیسا میں ہوں ویسا مجھے قبول تو کرو۔ پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ۔ تم سارے جہاں کی رشد و فلاح سارے جہان کی نیکیاں سارے جہان کی بھلائیاں تمہارے حصے میں آجائیں گی اور اسلام کوئی افسانوی مذہب نہیں ہے اسلام اپنی ایک تاریخ رکھتا ہے نہ صرف ایک بار بلکہ چودہ صدیوں میں بار بار جہاں کہیں اور جس جگہ بھی جن لوگوں نے بھی عظمتِ باری کو اُس طرح سے قبول کیا جیسا اللہ کے دین میں ماننے کا حکم ہے جیسے اللہ کریم کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ماننے کا حکم دیا ہے تو وہیں وہ رحمتیں آئیں جو اسلام کا پھل ہیں جو اسلام کا ثمر ہیں جو اسلام کا حاصل ہیں وہ برکتیں کبھی آگئیں وہیں وہ رحمتیں اور شفقتیں بھی آگئیں لیکن اگر بیت اللہ میں بھی بیٹھ کر کبھی مسجد میں بیٹھ کر کبھی، حرم میں بیٹھ کر بھی پسند سے پکارتا رہا۔ جو بات پسند آئی مان لی جو کڑوی محسوس ہوئی چھوڑ دی اور اپنی مرضی سے پکارتا رہا تو آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی حدیث کا مفہوم ہے۔

کہ آپ ایک شخص کو دیکھیں گے کہ اُس کے بال غبار آلود ہوں گے اُس کا لباس فرسودہ ہو چکا ہو گا نہایت تھکا ماندہ نڈھال حرم پہنچے گا بیت اللہ کے گرد طواف کر رہا ہو گا، پھر رہا ہو گا اور پکار رہا ہو گا۔ اے میرے رب اے میرے رب۔ لیکن اُس کی آواز کو اللہ کریم شرفِ قبولیت نہیں بخشیں گے نہیں سنیں گے اس لیے کہ اُس کے پیٹ میں جو لقمہ وہ حرام کا ہے اُس کے تو زادِ راہ جیب میں ہے وہ حرام کا ہے اُس کے بدن پر جو لباس ہے وہ حرام کا ہے۔ یعنی اُس نے اپنے عمل میں اپنے کردار میں، اپنے کاروبار میں عظمتِ باری کو سامنے نہیں رکھا اور محض اپنی ضرورت میں اللہ اللہ پکارتا ہے فرمایا ایسے کی پکار نہیں سُنی جائے گی۔

ہم نے بھی رمضان المبارک کی فضیلتوں کو برکتوں کو اپنی خرابیوں کی آڑ بنا لیا ہے حالانکہ حق یہ ہے یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس کا ہر لمحہ زندگی بھر کی کوتاہیاں معاف کرا کے ہمیں ذاتِ باری کے روبرو کھڑا کر سکتا ہے۔ اگر ہم یہ اختیار کرنا چاہیں اگر ہم خلوص سے اُس کی بارگاہ میں توبہ کریں اور توبہ کا اصول یہ ہوتا ہے کہ جو گزر چکا اُسے بھول جائے ایسا بھولے کہ پھر عملاً اس طرف مڑ کر جانے کی کوشش نہ کرے۔ بھولنے سے مراد نہیں ہے ایک شخص جھوٹ بولتا تھا تو وہ جو اب تک بول چکا ہے بھلا دے لیکن آئندہ جھوٹ ہی بولتا چلا جائے تو یہ بھولنا نہیں بھولنا یہ ہے کہ پھر بھول کر بھی جھوٹ کی طرف نہ جائے۔ ایک شخص

بدویا ہی کرتا ہے ایک مس بدکرداری کرتا ہے ایک شخص بُرائی کرتا ہے تو برائی سے توبہ یہ ہے کہ آئندہ پکا عزم کرے اس طرف نہ جانے کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کر دے۔ اللہ فرماتے ہیں بچانا یہ میرے ذمے ہے اُس کی دست گیری کرنا یہ میرے ذمے ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔

انسان خلوصِ دل سے جب اُسے پانے کے لیے میری رضا کو پانے کے لیے میری راہ پر چلنے کے لیے خلوصِ دل سے کوشش کرتا ہے تو فرمایا اس کے لیے راستے میں خود کھول دیتا ہوں۔ اُس کا ہاتھ میں خود تھام لیتا ہوں۔ راستوں پر چلانا یہ میرا کام ہے۔ توفیق ارزاں کرنا نیکی کی یہ میرا کام ہے لیکن بُرائی کو چھوڑ کر نیکی کی طرف بڑھے۔

تو میرے بھائی ہر اس شخص نے رمضان المبارک کی برکتوں اور فضیلتوں کو حاصل کر لیا جس نے گزشتہ گناہوں اور خطاؤں سے توبہ کر لی جس نے کرتا ہوں، غفلتوں کو چھوڑ کر ذکرِ الٰہی سے اپنی راتوں کو آباد کیا اور یادِ الٰہی سے اپنے کردار کو سجایا اور اپنے اعمال کو سنت کے قالب میں ڈھالنے کے لیے کمربستہ ہو گیا اُس نے تو رمضان المبارک کی نعمتیں حاصل کر لیں۔ لیکن اگر کردار میں تبدیلی کا ہم نے نہیں سوچا اُس طرف نہیں بڑھے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے ارشادِ عالی کا مفہوم ہے جو شخص جھوٹ بولنا یا برائی کرنا نہیں چھوڑتا اپنے کردار کی اصلاح نہیں کرتا تو اللہ کریم کو اُس کے صرف بھوکا پیاسا رکھنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کو اس کے بھوک اور پیاس کی کوئی غرض نہیں وہ خواہ مخواہ ایک مہینہ بھوکا پیاسا رہا صرف بھوکا رہنا مقصد نہیں ہے۔ اللہ کے خزانوں میں کمی نہیں آگئی اس کی بارگاہ میں کوئی راشن بندی نہیں ہو رہی بلکہ رمضان المبارک میں تو میرے خیال میں اتنا کھایا جاتا ہے اور اتنا کھانے کی اجازت بھی ہے کہ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک کے کھانے کا اللہ حساب کتاب معاف کر دے گا لیکن اپنا کھانے والے کو چھین کر کھانے والے کے لیے نہیں جائز طریقوں سے اللہ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق کما کر کھانے والوں کے لیے یہ راشن بندی کا مہینہ نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد ہی یہ ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کہ تمہیں وہ تقویٰ حاصل ہو، جس کی فرشتوں کو بھی نظیر پیش کی جا سکے۔ انسان ہر مسلمان پر اللہ کا اتنا احسان ہے کہ اُس نے اِس ماہِ مبارک کے ایک ایک لمحے کو زندگی بھر کی خطاؤں کی کفالت کا اس میں استعداد عطا فرمائی۔ اُسے ایک ایک گھڑی کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے معمور فرما دیا۔ روئے زمین کے سارے شیاطین قید کر دیئے ہیں اور ساری جنتوں کے دروازے کھول کر ایک منادی صدا دینے پہ مقرر کر دیا ہے کہ کون ہے جو اس بارگاہ میں آنا چاہتا ہے۔

لیکن پکڑ کر لے جانے کا فیصلہ نہیں فرمایا کہ پکڑ کر لے جانا چاہیے تو جو انسان اُس کے حکم پہ پیدا ہونے پہ مجبور ہے۔ اُس کے حکم پہ مرنے پہ مجبور ہے جسے وہ بیمار کر دے تو اُسے بیمار ہونا پڑتا ہے اور وہی صحت دے تو اُسے صحت ملتی ہے جو ہر لمحہ تقدیرِ باری میں جکڑا ہوا ایک ایک سانس اُس کی قدرت کاملہ کے تابع رہ کر لیتا ہے۔ وہ بھلا نافرمانی کا سوچ بھی سکتا تھا۔ اگر اُسے حکماً نیکی کا پابند کر دیا جاتا تو لیکن ایسا کرنا حکمتِ الٰہی کے منافی تھا پھر انسانی کردار کا کیا پتہ چلتا کہ اس پتلا خاک کو اس نے ایک عجیب شعور بخشا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اُس کے حکم کی اطاعت کرتا ہے۔

لَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ لیکن ہر ذرہ حکم کا مطیع ہے حاکم کی ذات کی طرف آنکھ اُٹھانے کی جرأت کسی میں نہیں ہے یہ شعور صرف انسان کو عطا فرمایا گیا کہ وہ اُس کی ذات کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ اُس کی ذات کو پہنچانتا ہے اس کی ذات سے عشق کرتا ہے اور اُس کی عظمت سے آشنا ہو کر از خود پیشانی زمین پہ رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے سُبحان ربی الاعلیٰ۔ یہی انسانیت کی معراج اور انسانی زندگی کا مقصد ہے جس میں حکومت و سلطنت، دولت و اقتدار صحت و جوانی یہ سب کچھ آنے اور جانے والی باتیں ہیں۔ انسان بحیثیت انسان اطاعتِ باری کو پا گیا تو حکمران ہے تو بھی جیت گیا، مزدور ہے تو بھی اپنا مقصدِ حیات پا گیا اور اگر کسی نے اطاعت الٰہی سے محروم ہی

پائی تو وہ دنیا کی سلطنت لے کر بھی محروم ہی رہا۔ اس کی جوانی بھی اُس کے کام نہیں آئے گی اور اس کی دولت بھی اس کی ڈھال نہیں بن سکے گی۔ یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حیات مستعار کا ایک اور مبارک رمضان عطا فرمایا۔ کتنے ہمارے دوست کتنے عزیز تھے جو پچھلے رمضان المبارک میں، پچھلے کتنے رمضان المبارک میں رہے ہمارے ساتھ، ان میں سے کتنے ایسے ہیں جو اپنا سفر حیات ختم کر کے قبر کے گوشے میں چلے گئے۔ انہیں اب اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ کون تخت سلطنت پر ہے اور کس کے ہاتھ میں اقتدار ہے کس کے پیسے بنک میں زیادہ ہیں اور کس کا مکان بلند ہے انہیں ان باتوں کی اب ضرورت نہیں رہی۔

لوگو! ہمیں بھی ان سب باتوں سے بالاتر ہو کر اپنے انجام اپنی ذات اور اپنے تعلقات اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ کیسے ہیں۔ ان کا جائزہ لینا چاہیئے۔ آپ مجھے چھوڑ دیں۔ مجھے اللہ کے سپرد کریں۔ میں آپ کو رب کے سپرد کرتا ہوں تو آپ مجھ پر تنقید کر کے کچھ نہیں پا لیں گے۔ میں آپ کو بھلا برا کہہ کر کچھ نہیں حاصل کر لوں گا۔

آیئے سب مل کر اپنا اپنا گریباں چاک کریں، اپنا اپنا محاسبہ کریں۔ اپنے آپ کو اللہ کے حضور کھڑا کریں۔ اپنا قد کاٹھ ناپیں کہ میں اس بارگاہ میں کس حد تک رسائی حاصل کر سکا ہوں اور اگر خدانخواستہ کمی ہے تو رمضان مبارک میں اللہ کی رحمتیں بٹ نہیں رہیں لُٹ رہی ہیں آؤ مل کر اُس کی بارگاہ میں تائب ہوں نیکی اختیار کریں اُس کی طرف قدم بڑھائیں۔ اللہ کریم ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے۔ مسلمانوں کا حامی و ناصر ہو۔ عالم اسلام کو کفر کی سازشوں سے اپنی پناہ میں رکھے اور مسلمانوں کو پھر سے دل زندہ عطا فرمائے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

بقیہ: تزکیۂ نفس

ہیں کھڑا کر دے اور پھر وہاں سے ہٹنے نہ دے۔ یہ وہ دولت ہے جسے تلاش کرنا انسان کا مقصد حیات ہے جس نے پا لیا اُس نے سب کچھ پا لیا جو اس سے محروم رہا اُس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے خواہ لاکھوں کوٹھیاں، ہزاروں موٹریں، کروڑوں روپے ہوں، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے چلا جائے گا۔

اللہ کریم صحیح سمجھ کے ساتھ توفیق عمل نصیب فرمائے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

ضروری نوٹ

رسالہ نہ پہنچنے یا پتہ تبدیل کروانے کے لیے سرکولیشن مینیجر محمدؐ اعجاز حسین کو ۸۴۲۹۹۸ پر فون کیجئے۔

نوٹ فرمائیے

شیخ المکرم کا فون نمبر دارالعرفان / راولپنڈی ۰۳۵۱ ۲۶۰۱۱۸ ہے۔

عمل

رب جلیل نے اپنی کتاب اس لیے نازل فرمائی کہ اس کے نبی کی بات سنیں اُس کے ارشادات کو سمجھیں اور اُسے قبول کریں اس پر عمل کریں۔ جہاں تک قبول کرنے کا تعلق ہے تو قبولیت کی دلیل تو عمل ہے ایک شخص کہتا ہے میں اللہ کی کتاب کو مانتا ہوں لیکن اس پر وُہ عمل نہیں کرتا۔ تو اُس کا عمل اُس کے قول کی تردید کر رہا ہے اگر مانتا ہوتا تو اُس پر عمل بھی کرتا اسی لیے سوائے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے باقی تینوں ائمہ نے ایمان کی بنیاد عمل قرار دیا ہے قول کو نہیں کہ اگر عمل نہیں کرتا تو اُسے مومن شمار نہ کیا جائے۔ ایک شخص کہتا ہے میں ایماندار ہوں مسلمان ہوں لیکن وُہ نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا زکوٰۃ نہیں دیتا، یا حج نہیں کرتا۔ فرائض کا انکار تو ہے ہی سرے سے کفر۔ یہ بات اُس آدمی کی ہے جو بغیر کسی عذر کے کرتا نہیں ہے تین امام تو اُس کے ایمان کو قبول ہی نہیں کرتے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اُسے مومن ہی سمجھا جائے اور حکومت وقت کو چاہیے کہ ایسے شخص کو قید کر دے اگر وُہ توبہ کرے تو اُسے رہا کیا جائے لیکن اگر بغیر توبہ کے مر جائے تو پھر اُس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو باقی ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں اور ائمہ کا ارشاد ہے کہ ایسے شخص کا جنازہ نہ پڑھا جائے اور اُسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے اس لیے کہ وُہ کہتا تو رہا کہ میں اللہ کی کتاب کو مانتا ہوں لیکن اُس کا عمل اُس کے خلاف ہے۔

آج اگر یہ معیار واقعی برتا جائے اس پر عمل کیا جائے۔ تو آپ اپنے ماحول کو دیکھ کر اندازہ لگالیں کہ کتنے مسلمان اس قابل ہیں جن کا جنازہ پڑھا جائے یہ جو ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے کہ چالیس مسلمان جس کا جنازہ پڑھ لیں اللہ کریم سے قوی اُمید ہے کہ اسے بخش دے گا معاف کر دے گا۔ یہ بات اُن لوگوں کے لیے ہے جو جنازہ پڑھے جانے کے اہل ہوتے ہیں یہ ارشادات نبویؐ اُن ہی مسلمانوں کے لیے ہے جو جنازے کی اہلیت رکھتے ہیں جو سرے سے مستحق ہی نہیں ہیں پڑھے جانے کے اور پڑھنے کے لیے بھی شرط مسلمان ہونا ہے تو عنداللہ جو واقعی مسلمان ہوگا اُس کی بات قبول ہوگی پڑھنے والے پر بھی شرائط ہیں جس کا جنازہ پڑھا جا رہا ہے اُس کی بھی کچھ شرائط ہیں۔

تو اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں کہ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعٰلَمِينَ۔ یہ بہت بڑی عظیم کتاب ہے جو اللہ کریم نے نازل فرمائی ہے اور حد یہ ہے کہ اگر تم اللہ ہی کے کلام کا انکار کرتے ہو تو پھر تم مانتے کس بات کو ہو۔ نہ تو اللہ سے بڑی کوئی ہستی ہے نہ کوئی اس کا ثانی ہے نہ اُس جیسا کوئی دُوسرا ہے تو جو شخص اُس کی ہی بات کا انکار کر دیتا ہے وُہ کس کی مانے گا پھر فرمایا۔ عجیب لوگ ہو کہ تم اللہ کی کتاب کا انکار کرتے ہو تم اپنا رزق یا اپنا حصہ اللہ کے ارشادات سے انکار کو بناتے ہو۔ دنیا سے یہ لے کر جانا چاہتے ہو اپنے ساتھ تم اپنا سرمایہ اس بات کو بناتے ہو کہ تم نے اللہ کا حکم نہیں مانا۔ اگر تمہیں عظمت باری میں شبہ ہے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ اس کے نہ ماننے کے بغیر گزارا ہو جائے گا اور کسی طرح سے جان چھوٹ جائے گی اور کوئی ہمیں بچالے گا فرمایا تمہارے سامنے مثالیں موجود ہیں۔ ایک جہان روزانہ دُنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ پاس بیٹھے ہوتے ہو تمہارے دوست، تمہارے بزرگ، تمہارے والدین، تمہاری اولاد تمہارے بھائی، نزع کی حالت

میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

اگر تمہارے پاس اللہ کی اطاعت کے بغیر بھی کوئی راستہ ہے تو اُس جانے والے کو چند لمحے روک کیوں نہیں لیتے، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ کی گرفت سے کسی حیلے سے تم بچ جاؤ گے، جان چھڑالو گے، نافرمانی کر کے تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا تو ایک دفعہ یہ تجربہ کر کے دیکھو کہ جس پر اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آجاتا ہے جو حالتِ نزع میں گرفتار ہوتا ہے تمہارا عزیز بھی ہوتا ہے قریبی بھی ہوتا ہے اور تم بیٹھے ہوئے اُسے دیکھ بھی رہے ہوتے ہو لیکن فرمایا۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ۔ میری قدرت کاملہ میرا قبضہ و اختیار اور میں تمہاری نسبت اُس کے زیادہ قریب ہوتا ہوں۔ میری قدرت کاملہ غالب ہے۔ تم کچھ نہیں بگاڑ سکتے وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ تم نے تو آنکھیں بند کر لی ہیں تمہیں تو دکھائی کچھ نہیں دیتا۔ انسان کے پاس اللہ کی نافرمانی کا کوئی جواز نہیں ہے اور اس کے پاس کوئی متبادل راستہ نہیں ہے۔

ایک ہی راستہ ہے کہ وُہ اللہ کی عظمت سے آنکھیں بند کر لے اس کی پرواہ نہ کرے لیکن یہ راستہ اُسے اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکتا۔ اور اگر کوئی ایسا حیلہ ہو سکتا ہے کہ آدمی اللہ کی گرفت سے بچایا چھڑایا جا سکتا ہے۔ تو جب کسی پر وقتِ مقرر آجاتا ہے وُہ نزع کی سختی میں گرفتار ہوتا ہے تو تم اُس کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ انسان کی تخلیق اور پیدائش کا عمل بھی آسان نہیں ہے اور دُنیا میں جس قدر جاندار بستے ہیں اُن سب میں سے مشکل اور محنت طلب انسان کا بچہ پالنا ہے یہ پھر بھی ایک تعمیری رشتہ ہوتا ہے بدن کے ساتھ رُوح کا اور ہزار مشکلوں کے باوجود وہ پروائیڈ کرتا ہے اور وُہ سے وُہ مشکلات وہ تکلیفیں بھول جاتی ہیں جوان ہوتا ہے سمجھ دار ہوتا ہے تو اسے ہوش ہی نہیں ہوتا کہ کبھی میں ایک بے بس بچہ تھا میں کبھی ننھا سا تھا یا ایک کمزور تھا لیکن جب رُوح جُدا ہونے لگتی ہے اور موت کا وقت آتا ہے اور دُنیا سے برزخ کے جانے کا لمحہ آتا ہے تو لمحہ بے حد سخت ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات میں ملتا ہے کہ انہیں اللہ نے یہ معجزہ عطا کیا تھا۔ دُعا کرتے تھے تو مُردہ قبر سے باہر آجاتا تھا زندہ ہو کر۔ انہوں نے کسی مُردے کو زندہ کیا معجزے کے طور پر لوگوں کو دکھانا مقصود تھا پھر اُس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم کیا چاہتے ہو کتنا عرصہ تم دنیا میں رہنا پسند کرتے ہو؟ مزید تمہاری زندگی کے لیے دُعا کی جاتے تم پلٹ ہی آئے ہو تو مفسرین اس واقعہ میں کہ وُہ کہنے لگا۔ کہ حضرت دُنیا میں رہنا بجا طور پر اپنی جگہ مزے دار بھی لیکن دوبارہ موت کی تلخی سے گزرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ میں جبکہ ایک دفعہ سکرات الموت سے گزرا ہوں تو اُس سے میں دوبارہ نہیں گزرنا چاہتا میں دُنیا میں نہیں رہوں گا آپ نے جیسے مجھے قبر سے طلب فرمایا اس طرح دُعا کریں میں واپس چلا جاؤں ساری دنیاوی زندگی کو وُہ ان چند لمحوں کے ڈر سے قبول نہیں کر رہا تھا۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کسی دُوسرے انسان کی موت کی مثل نہیں تھی ہر انسان کی رُوح قبض کر کے فرشتہ جا کر پیش کرتا ہے لیکن انبیاء کا اپنا مقام ہوتا ہے اور انبیاء کی موت عام موت نہیں ہوتی نبی علیہ السلام کی موت صرف یہ ہوتی ہے ہر نبی علیہ السلام کی موت صرف آنی ہوتی ہے کہ ان کی رُوح کا جو تعلق عالمِ دُنیا سے تھا وُہ تعلق وجود کا جو تعلق زندگی کا جو تعلق حیات کا جو تعلق عالمِ دُنیا سے تھا عالمِ دُنیا سے منقطع کر دیا جاتا ہے اور اس کا رُخ آخرت کی طرف پھیر دیا جاتا ہے انبیاء علیہ السلام کی ارواح وجودِ مقدس سے قبض کر کے نہیں لے جاتی اور نہ عام آدمیوں کی طرح فرشتہ پیش کرتا ہے فرشتے خادم ہوتے ہیں اُن کی بارگاہ کے۔ اس کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں آرام فرما رہے تھے آپ کے سینہ مُبارک سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کی ٹیک لگائی ہوئی تھی اور پانی منگوایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اپنے ہاتھ ڈبو کر رُخ انور پر پھیرتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے۔ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ۔ بیشک موت کے لیے تلخی تھی تو پھر دُنیا میں کسی دُوسرے کے متعلق کیا تصور کیا جا سکتا ہے یہ ایک فطری عمل

ہے کہ پچاس سال بیس سال دس سال اسی سال رُوح اور وجود یکجان رہ کر جب کسی دوسرے پراسس میں اور دُوسری نوعیت کے تعلق میں جاتے ہیں اور وہ تعلق ٹوٹتا ہے تو اتنا آسان نہیں ہوتا اور یوں بال ہونگے وجود پر۔ ایک بال اکھیڑیں تو ہر بال کے اکھڑنے کا الگ سا درد ہوگا آپ جلا میں سے خون کا ایک ذرہ سا قطرہ نکالیں محسوس ہوگا۔ تو پورے کے پورے رُوح کا تعلق بدن سے جب کٹتا ہے اور اس کی دُوسری ، صورت بنتی ہے تو کتنا تلخ تجربہ ہوتا ہے ۔

فرمایا ، تم دینوی امور میں کبھی پیسے کی لالچ میں ، کبھی اقتدار کے دھوکے میں ۔ کبھی اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنے کے لیئے ، کبھی کوئی اور دینوی سہولت حاصل کرنے کے لیئے اللہ کی نافرمانی کرتے ہو اور مختلف اداروں مختلف افراد مختلف چیزوں کا اتباع کرتے ہو شیطان کی بات مانتے ہو اللہ کی چھوڑ دیتے ہو۔ گمراہ لوگوں کا رویّہ اختیار کرتے ہو ان کی بات مانتے ہو اُن کے پیچھے چلتے ہو ۔ اللہ کی بات چھوڑ دیتے ہو۔ تو جب تم سخت مصیبت میں ہوتے ہو پُوری انسانی زندگی میں سخت ترین لمحہ موت کا لمحہ ہے تو فرمایا جب کبھی پر سکراتِ موت آتی ہے تو کبھی اُسے کوئی روک سکتا ہے ۔ اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ کسی حیلے کسی سبب کسی ذریعے اللہ کی گرفت سے بچ جاؤ گے تو پھر اُس لمحے کسی کو واپس لاکر دکھو ۔ اگر تم یہ نہیں کرسکتے اور جانے والا تمہارے سامنے چلا جاتا ہے تو فرمایا ۔ پھر سُن لو وُہ جاتا کہاں ہے اس کے ساتھ ہوتا کیا ہے اللہ کریم فرماتے ہیں ۔ دو طرح کے لوگ ہیں ایک وُہ جو پورے کے پُورے اللہ کی اطاعت میں ڈوب جاتے ہیں ۔ جن کی زندگی کا مقصد ہی اللہ کی رضا ہوتا ہے اور جن کے ہر کام میں جن کی ہر حرکت میں ہر سکون میں اللہ کی رضا کی طلب ہوتی ہے ۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۔ اگر تو وہ اُن مقرب لوگوں میں سے ہیں جو دُنیا میں رہتے ہُوئے کبھی اللہ کی عظمت سے جُدا نہیں ہُوتے یہ جو مقرب الٰہی کہہ دیا جاتا ہے ۔ یا قرآن نے فرما دیا وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۔ تو ہم کہتے ہیں جی فلاں شخص بڑا مقرب تھا اللہ کا اس کا معیار بھی کبھی آپ نے سوچا کیا ہے مقرب کا معیار یہ ہے کہ ہمارے ہر کردار سے پتہ چلے کہ اللہ ہمارے قریب موجود ہے کمانے کھانے دوستی دشمنی گھر بار ہر عمل کاروبار ہر عمل سے یہ پتہ چلے کہ واقعی یہ شخص اللہ کے رو برو زندگی بسر کر رہا ہے اللہ اس کے قریب ہے یا یہ اللہ کے قریب ہے ۔ انسان بھی عجیب چیز ہے ۔ شتر مرغ خطرہ دیکھے تو اپنا سر ریت میں ڈال لیتا ہے سر اُس کا ذرا سا ہوتا ہے اور وجود اونٹ جتنا ہوتا ہے وجود تو زمین پہ کھڑا ہوتا ہے اتنا سا سر وُہ مٹی میں چھپا لیتا ہے وُہ سمجھتا ہے کہ جب میں نہیں دیکھ رہا تو خطرہ ٹل گیا ۔

گدھا کسی درندے کو دیکھے تو بھاگنے کی بجائے آنکھیں بند کر لیتا ہے کبوتر بلی کو دیکھے تو اُڑنے کی بجائے آنکھیں بند کر لیتا ہے ورنہ پرندے ہیں ہم اُسے کیسے پکڑ سکتے ہیں یعنی آنکھ بند کر کے خطرے کو بھگاتا ہے اَب بے عملی کا دَور آیا تو لوگوں نے آخرت کو قبول کرنے اور آخرت کی تیاری کرنے کی بجائے قبر کے ثواب وعذاب کا انکار کر دیا کہ ہوتا ہی نہیں تمہارے انکار کر دینے سے ٹل جائے گا ؟ اگر ہم کہہ دیں گے کہ قبر میں کوئی عذاب نہیں ہوتا کوئی ثواب نہیں ہوتا تو جو ہوتا ہے وہ ٹل جائے گا ؟ ہم اب کہہ دیں کہ باہر دھوپ نہیں ہے تو کیا سُورج ڈوب جائے گا ؟ عقائد کسی کے کہنے سے تو نہیں بدلتے ۔ جنّت و دوزخ کا داخلہ تو ہوگا قیامت کو فیصلے ہو کر لیکن دُنیا سے جانے والوں کی اللہ کریم نے رہائش کی جگہ بنائی ہے جسے برزخ کہا گیا ہے قرآنِ حکیم میں تو فرمایا جو دُنیا سے جاتا ہے اگر وُہ مقربین میں سے ہے فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۝ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝ تو اُسے خوشبو ٹھنڈی اور مزے دار ہوائیں اور جنّت کی نعمتیں نصیب ہوں گی ۔ اس کی قبر جو بظاہر ایک گڑھا ہے لیکن اُس کا رابطہ جنت سے کر دیا جاتا ہے اور وُہ اس کا خوبصورت مہمان خانہ بن جاتا ہے فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۝ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۔ جنت کی نعمتیں جنت کی راحتیں جنّت کی خوشبوئیں جنّت کی خوبصورت ہوائیں اس کا حصّہ بن جاتی ہیں ۔ اگر اُس سے کم درجے کا ہے لیکن راست باز ہے اصحٰبُ الیمین ایسے لوگ جن کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ۔

وُہ لوگ جو ہمیشہ راستی پہ رہتے ہیں اگرچہ اُس درجے کا ایثار نہ کر سکا کہ قربِ الٰہی کے لیے ساری خواہشات نچھاور کر دے لیکن گناہ کی طرف بھی نہیں گیا تو فرمایا اگر اصحٰبِ یمین میں سے ہے۔

فَسَلٰمٌ لَّکَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ۔ تو اُسے بھی سلامتی نصیب ہوتی ہے سکون نصیب ہوتا ہے آرام نصیب ہوتا ہے مقربین جیسا نہ سہی لیکن اللہ کی رحمت اُسے نصیب ہوتی ہے۔

وَاَمَّآ اِنْ کَانَ مِنَ الْمُکَذِّبِیْنَ الضَّآلِّیْنَ۔ اور اگر وُہ انکار کرنے والا اور گمراہوں میں سے ہو جس نے ساری زندگی اللہ کی اطاعت نہیں کی۔ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ۔ تو اس کی مہمانی دوزخ کے کھولتے ہوئے پانی سے کی جاتی ہے وَّتَصْلِیَۃُ جَحِیْمٍ اور اس کا داخلہ جہنم میں ہوتا ہے ایسا حال اُس کی قبر میں کر دیا جاتا ہے اگرچہ وُہ حقیقتاً قبر میں جلنے قیامت کے بعد دوزخ میں داخل ہوگا لیکن اُس کی قبر کا حال ہی یہ کر دیا جاتا ہے کہ وُہ دوزخ ہی میں داخل ہُوا اور فرمایا۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْیَقِیْنِ۔ یہ بہت کھری بات ہے اس میں شبے کی کوئی گنجائش نہیں مقربین کا انعامات سے مستفید ہونا اصحٰبِ یمین کا اللہ کی رحمت کو پالینا اور عذاب سے بچ جانا اور کلذبین کا گرفتارِ عذاب ہو جانا اس کی شبے کی کوئی گنجائش نہیں ہے یہ حق الیقین ہے۔ بڑی کھری بڑی سچی بات۔ تو اس کا انکار کرنے سے ہم نہیں بچ سکتے کوئی بھی نہیں بچ سکتا کیونکہ سارے انسان ایک ہی جگہ سے آ رہے ہیں اور ایک ہی سمت کو جا رہے ہیں۔ تفریق اگر انسانوں میں ہوتی ہے تو یہ تھوڑا سا عرصہ جو دُنیا میں رہنے کا مل جاتا ہے اس میں کوئی کافر ہو گیا کوئی یہودی بن گیا کوئی نصاریٰ بن گیا کوئی عیسائی ہو گیا کوئی ہندو کوئی سکھ مختلف مکاتبِ فکر اور کسی خوش بخت کو اللہ کے ساتھ ایمان نصیب ہو گیا۔ لیکن آتے سب ایک ہی طرح ہیں اور جا سب ایک ہی طرف رہے ہیں تو جس طرح سارے ایک ہی انداز میں پیدا ہوتے ہیں ایک ہی طریقے سے دُنیا میں وارد ہوتے ہیں اسی طرح سب کے جانے کا راستہ بھی ایک ہے خواہ کسی کو جلا دیا درندے کھا جائیں یا درخت پر ٹانگ دو یا قبر میں دفن کر دو برابر ہے اُس کا داخلہ برزخ ہی میں ہوگا اور تین حالتوں میں سے ایک کا حامل وُہ ہے تو جس حال کا حامل ہے اُس کے نتیجے میں جو کچھ حالت میسّر ہے وُہ اُس کو پالے گا۔ یہ تو بڑی واضح سی بات ہے ہمارے سامنے کہ ہم اپنی سوچ اپنے نظریے اور اپنے عمل کو دیکھ کر اندازہ لگا لے ہیں کہ ہم کس سٹیج میں ہیں کس حال میں ہیں اور کس دائرہ اثر میں ہیں اور ہمارا نظریہ کیا ہے ہماری خواہشیں کیسی ہیں اور ہم عمل کیا کرتے ہیں کیا ہمارا عمل یہ اطمینان دلاتا ہے کہ ہم مقربین بارگاہ ہیں اگر ایسا نہیں تو دُوسرا درجہ یہ ہے کہ کم از کم ہم گناہ سے بچنے والے تو ہوں اصحٰبِ یمین تو ہوں اعمال نامہ تو دائیں ہاتھ میں لینے والے لوگ ہوں۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے تو ہوں پھر بھی سلامتی کا راستہ ہے لیکن اگر ایسا بھی نہیں تو پھر بہت مشکل ہے اور اللہ کریم کا ارشاد ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ راستہ ایک ہی رہ جاتا ہے اپنے ربّ کے عظیم نام کی تسبیح کرتے رہو ذکر کرتے رہو عبادت کرتے رہو اس لیے بھی کہ عملی زندگی بھی بغیر عبادت کے مثبت نہیں ہو سکتی اللہ سے تعلق ہی اللہ کے نام کے ذکر کا اللہ کی عظمت بیان کرنے سے اور اللہ کی عبادت کرنے سے ہوتا ہے اور عبادت کر کے جو قوت حاصل ہوتی ہے اُسے اپنی عملی زندگی میں آزماؤ اور عملی زندگی میں اللہ کی اطاعت کرو صرف یہ ایک راستہ رہ جاتا ہے اس کے علاوہ اپنے آپ کو انتہائی مشکلات میں مبتلا کرنے والی بات ہے۔

اللہ کریم ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائیں ہماری ٹوٹی پھوٹی عبادات کو قبول فرمائیں اور عبادت اور نیکی کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

باتیں اُن کی خوشبو خوشبو

فرمایا —— انسان کی نجات کے لئے درستیٔ عقائد، ایمانیات اور عبادات ضروری ہیں۔

فرمایا —— انسان کی نجات کے لئے مدار عقیدہ پر ہے عقیدہ دُرست نہیں تو نجات نہیں، ترقی درجات کا مدار اعمال پر ہے۔ عقیدہ کی درستی ضروری ہے عقائد میں نو ۹ چیزیں ضروری ہیں جن کا ہر آدمی کو پتہ ہونا چاہیے۔

(۱) توحید (۲) رسالت (۳) ملائکہ (۴) کتابیں (۵) قیامت (۶) جہان کا حادث ہونا دُنیا فانی ہے (۷) تقدیر الٰہی کا مسئلہ (۸) خلق میں انتخاب باری تعالیٰ جو کچھ ازل سے منتوب فرمایا ہے ہر چیز اُسی کے مطابق پیدا ہوتی ہے (۹) جنت، دوزخ

فرمایا —— چھوٹی چھوٹی چیزیں سب ان میں آتی ہیں، توحید باری تعالیٰ، رسالت، فرشتوں کا ماننا ہر آدمی کے ساتھ ایک فرشتہ۔

فرمایا —— اس کے بعد قیامت کا مسئلہ آگیا۔ قیامت کے بعد تقدیر کا مسئلہ اُس کے بعد جنت دوزخ اور باقی سارے عذاب وغیرہ اسمیں آجاتے ہیں۔

فرمایا —— توحید باری تعالیٰ، اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے اُس کا کوئی ثانی نہیں اپنی ذات میں بے مثل و بے مثال ہے۔ اس کا کوئی ہم جنس نہیں اُس کی ذات میں کوئی شریک نہیں اُس کے علم میں کوئی شریک نہیں۔

فرمایا —— علم باری تعالیٰ حضوری قدیم

ہے۔ قدیم اس کو کہتے ہیں جس کی ابتدا اور انتہا کا کوئی پتہ نہ ہو۔

فرمایا —— مخلوق کا علم حضوری بھی ہے اور حصولی بھی۔ اللہ تعالیٰ کا علم حصولی نہیں ہے حصولی اس علم کو کہتے ہیں پہلے معلوم نہ تھا پھر چیز مل گئی پتہ چل گیا یہ علم حصولی ہے۔

فرمایا —— علم حصولی کا تعلق ذاتِ باری تعالیٰ سے نہیں ہے۔ وہ علیم و خبیر ہے اس کا علم حضوری قدیم ہے سارا کائنات اس کے سامنے ہے وہ ایک علم سے ہر چیز کو جانتا ہے

فرمایا —— انسان ایک علم کے ساتھ دوسرے کو نہیں سمجھتا۔ ہم انگریزی نہیں جانتے تو انگریز اردو نہیں سمجھتے۔ ہم ایک زبان بولتے ہیں پنجابی تو پشتو نہیں بول سکتے۔

فرمایا —— اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو جتنی بھی ہے ساری کی ساری کو ایک علم سے جانتا ہے اس کا علم ذاتی ہے کسی واسطہ سے نہیں کسی ذریعہ سے نہیں۔

فرمایا —— مخلوق کا علم حضوری بھی ہے حصولی بھی، کبھی حادث ہے کبھی حادث نہیں قدیم ہے۔ وحی، الہام، کشف، خواب حصولی علم کے ذرائع ہیں۔

فرمایا —— احکام الٰہی دو طرح کے ہوتے ہیں قربِ فرائض اور قربِ نوافل، قربِ فرائض جو ہیں قرب نوافل ان پر موقوف ہیں۔ جب تک قرب فرائض مکمل اور صحیح نہ ہوں ان کی حالت اپنے حال پر درست نہ ہو قرب نوافل کا اعتبار نہ کیا جائے۔

فرمایا —— قرب فرائض یہ بنتے ہیں تین قسم کے یہ مدارِ نجات ہیں۔ احکام دو قسم کے تین مدارِ نجات دوسرے ترقی درجات، قربِ فرائض جو ہیں نجات کا مدار ان پر ہے قرب نوافل ترقی کا درجات کا سبب بنتے ہیں۔ ان پر مدار ہے ترقی درجات کا ترقی نہیں ہوتی جب تک یہ درست نہ ہوں

فرمایا —— مدارِ نجات تین چیزوں پر ہے عقائد کی درستی۔ فرائض کی پابندی، حرام حلال کی سمجھ کہ یہ چیز اللہ نے حلال کی ہے اور یہ چیز اللہ اور رسول نے حرام قرار دی ہے۔ عقائد کی درستی کے بعد ان چیزوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

فرمایا —— شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں میں ہر اس قوم سے بیزار اور بری ہوں جو قرآن کریم کی کسی آیت سے ٹکرائے اور اس قوم سے بھی بیزار اور بری ہوں جو حدیث صحیح کے خلاف ہو اس کا عمل خلافِ سنت ہو۔ اس قوم سے بھی بری اور بیزار ہوں جو خیر القرون کے مسلمانوں کیخلاف ہو آئمہ مجتہدین کیخلاف ہو سوادِ اعظم کیخلاف ہو۔

۱- فرمایا: حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں کئی مرتبہ اللہ تعالےٰ کا دیدار نصیب ہوا ایک مرتبہ انھوں نے عرض کیا کہ کوئی ایسا کلام بتایا جائے کہ میں عذاب قبر سے بچ جاؤں۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے جواب ملا قراۃ القرآن بفہم او بغیر فہم (قرآن کریم کی تلاوت، خواہ معانی کو سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو)

۲- میں اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ زندگی اور موت میں انہی کے ساتھ وابستہ رکھے اور مرنا جینا میرا سواد اعظم کے ساتھ ہو، اتبعوا سواد الاعظم، من شذ، شذ فی النار۔ سواد اعظم (بڑی جماعت)، کی پیروی کرنا، جو ان سے نکلے گا سیدھا جہنم میں جائے گا۔ اس کے متعلق پوچھا جائے گا کہ اس جماعت سے آپ کا کتنا ربط تھا، سواد اعظم سے مراد اہل سنت والجماعت ہیں

۳- سلف صالحین پر طعن کرنا گمراہی کا سب سے بڑا سبب ہے۔

۴- متکلمین لکھتے ہیں کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جائے، لیکن پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اہل قبلہ سے کون لوگ مراد ہیں۔ جو شخص ضروریات دین کا انکار کرے وہ اہل قبلہ میں سے نہیں، اور ضروریات دین سے مراد وہ امور ہیں کہ جن سے ایک عام مسلمان خواہ وہ پڑھا لکھا نہ ہو واقف ہو جیسے پانچ نمازیں ماہ رمضان کے روزے، عذاب قبر، منکر نکیر، کراماً کاتبین وغیرہ وغیرہ۔

۵- زمین و آسمان کی روح ذکر الٰہی ہے جس وقت اللہ اللہ کرنے والا کوئی نہ رہے گا تو نہ زمین رہے گی نہ آسمان۔

۶- ان الملوک اذا دخلوا قریۃً افسدوھا الخ صوفیہ کرام اس آیت کریمہ سے یہ تعبیر بھی لیتے ہیں کہ انسان اپنے بدن اور دل کو ایک ملک یا ایک سلطنت تصور کرے، اس میں حب جاہ، حب مال، حسد تکبر، غرور وغیرہ ہر قسم کی برائیاں موجود ہیں۔ اور یہ سب اپنے اپنے مقام پر خود مختار حاکم یا بادشاہ بنے ہوئے ہیں، لیکن جس وقت رب العالمین کا ذکر اس ملک (یعنی دل) میں داخل ہوتا ہے اور ان پر حملہ آور ہوتا ہے تو انہیں ذلیل کر کے وہاں سے نکال دیتا ہے، اپنے آپ تو کوئی اپنے ملک، وطن مال و جاہ کو نہیں چھوڑتا، اس کے لیئے جہاد اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اسی لیئے صوفیہ فرماتے ہیں کہ جب تک لطائف پر پورا مجاہدہ نہ کیا جائے۔ دل سے یہ چیز نہیں نکلتی، صرف نفس کی آمد و شد سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

۷- ہمیشہ ترقی اسی کو دی جاتی ہے جو مجاہدہ زیادہ کرتا ہے اس سلسلہ میں اس کے دو رکن ہیں۔ (۱) خلوص دل اور ریاضت مجاہدہ (۲) مکمل اتباع شریعت، کمالات کے دروازے بند ہو چکے ہیں،

سوائے اتباع محمدی کے کوئی دروازہ کھلا ہوا نہیں ہے۔ گوہر مراد حضور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور آپ کی جوتیوں کے صدقہ سے ملتا ہے۔

۷۔ سلوک کا پہلا رکن یا پہلا درجہ اتباع شریعت ہے اگر اس میں خلل آئے تو ایمان میں خلل آئے گا۔ دوسرا رکن اس کا شیخ کے ساتھ قلبی خلوص ہے، اگر اس میں کمی ہوئی تو فیض حاصل نہ کر سکے گا، کیونکہ اس کا تعلق ہی قلب کے ساتھ ہے۔

۸۔ تزکیہ کے حاصل کئے بغیر، خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو اس کے علم میں پختگی نہیں پیدا ہوتی جب تک وہ اللہ اللہ کرنے والا نہ ہو، حرام حلال کی تمیز نہیں کر سکتا صرف بیان کر سکتا ہے کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ یہ چیز نور نبوت سے اکتساب فیض کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

۹۔ ذکر الٰہی جب پوری طرح قلب میں راسخ ہو جائے تو پھر کسی طرح بھی رذائل اس میں نہیں رہ سکتے مختصراً یوں سمجھیے کہ دل ایک ہے دوسرا نہیں، رب العالمین کسی غیر کو اس میں دیکھنا پسند نہیں کرتا جیسا کہ بعض بزرگان نے کہا ہے ؎ یک دل داری یک دوست بس است ترا

۱۰۔ شریعت نام ہے کل اور مجموعہ احکام کا، خواہ وہ احکام امور باطنیہ سے تعلق رکھتے ہوں یا امور ظاہری کے ساتھ، متقدمین علماء اور صوفیہ تمام اس پر متفق ہیں کہ شریعت لفظ فقہ کے مترادف ہے، شریعت اور فقہ ایک ہی ہے یہ ان کی اصطلاح ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی تعریف ہی یہ کی ہے معرفۃ النفس مالھا وماعلیھا، یعنی اس کا نفع یا نقصان کس بات میں ہے اس لئے مجموعہ احکام ظاہری اور باطنی سب اس میں آ گئے، متاخرین علماء نے احکام ظاہری پر فقہ کا اطلاق کر دیا اور جو باطن سے تعلق رکھتے ہیں اس پر تصوف کا اطلاق کر دیا وہی شریعت ہے وہی حقیقت ہے شریعت سے باہر کوئی چیز نہیں۔

۱۱۔ طریقت۔ اُن وسائل ذرائع اور طرق کا نام ہے جن کے ذریعہ سے احکام ظاہری یا احکام باطنی حاصل کئے جائیں، مثلاً لکھنا پڑھنا، درس تدریس، تصنیف کرنا، تبلیغ کرنا یا کسی سے پوچھ لینا یہ سب شرعی احکام تک پہنچنے کے ذرائع ہیں اور انہیں طریقت سے تعبیر کیا جاتا ہے، طریقت کہتے ہی رستے کو ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ رستے پر طریقت سے تعبیر کیا جاتا ہے، انسان ہمیشہ حصول مقصد کے لیے ہی حرکت کرتا ہے، مقصد نہ ہو تو حرکت نہیں کرتا، پس حرکت کرنا یا کوئی کام کرنا، رستہ ذرائع یا وسائل اختیار کرنا، یعنی امور باطنی اور تصوف کا سیکھنا، لطائف کرنا، مراقبات کرنا وغیرہ یہ سب وسائل ہیں اصل تصوف تو رضائے الٰہی کا حصول ہے اللہ کی رضا حاصل کی

جائے ، اللہ کی محبت حاصل کی جائے، یہ معلوم ہو کہ اس کی رضا کس میں ہے اور وہ ناراض کس بات میں ہے، یہ دیکھنا کہ اللہ کی محبت اور اللہ کی رضا کس بات میں ہے ــــ اللہ کی رضا اس کی عبادت اور اتباع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے کما قال تعالیٰ قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله۔ اگر آپ اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو اور اللہ کو محبوب بنانا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو یہ طریقت ہے۔

۱۲۔ اب ذرا غور کریں کہ حقیقت سے کیا مراد ہے، ایک درجہ تو یہ ہے کہ کسی چیز کی صورت حاصل ہو جائے اور ایک درجہ یہ ہے کہ آدمی پر اس کی حقیقت واضح ہو جائے

مثلاً صوفیہ کرامؒ فرماتے ہیں کہ نماز کی صورت جو ہے وہ تمام مسلمانوں کو حاصل ہے لیکن اس کی حقیقت تک کما حقہ بہت کم لوگ پہنچتے ہیں اسی طرح ایمان کی صورت تو اکثر لوگوں کو حاصل ہے لیکن اس کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ یعنی جس کے حاصل ہونے کے بعد آدمی سچا مسلمان مومن اور صحیح معنوں میں دیندار بن جاتا ہے۔

ذرا دیکھیں کہ ایمان کی حقیقت اور ایمان کی صورت سے کیا مفہوم ہوتا ہے، علم کی تعریف ہے، حصول صورة الشئ فی الذہن صورت چیز ذہن میں آجائے یعنی قبول النفس تلک الصورة یا نفس اس صورت کو قبول کرے اس کو علم کہتے ہیں یعنی صورت شئی کا حاصل ہو جاتا، ایمان کی صورت آگئی روزے کی صورت آگئی، کلمے کی صورت آگئی . . . .

اب سوال یہ ہے کہ حقیقت سے کیا مراد ہے، مثال کے طور پر۔ کوئی آدمی ہمیں بتاتا ہے کہ ٹڈی، سی شہر کے فلاں مقام پر آگیا ہے، ہم اس کی بات تسلیم کر لیتے ہیں یہ ایمان تقلیدی ہے، اس کی بات سنی قبول کر لی۔ عوام کا ایمان جو ہے تقلیدی ہے تقلیدی ایمان تشکیک مشکک سے زائل ہو جاتا ہے، کسی نے شک میں ڈالا تو وہ اس چیز کو چھوڑ بیٹھا۔ گمراہی کا اصل سبب عام طور پر یہی ہے، یعنی جیسی صحبت ملی اس کے رنگ میں ڈھل گئے۔ ان کو ایمان کی حقیقت تک رسائی نہیں ہوئی اس لیے گمراہ ہو جاتے ہیں۔

دوسرا۔ استدلالی ایمان ہے یعنی جو دلائل سے ثابت ہو، مثلاً ایک آدمی اڈے پر گیا دیکھتا ہے کاریں کھڑی ہیں موٹریں موجود ہیں، پولیس اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہے، آدمی کھڑے ہیں، دلائل موجود ہیں قرائن سے پتہ لگتا ہے کہ کوئی بڑا آدمی آیا ہے یہ

ہے ایمان استدلالی۔

کشفی ایمان یہ ہے کہ آدمی اندر چلا جائے اور خود مشاہدہ کرلے، اندر جا کر دیکھ آئے یہ حقیقت ہے اب اگر ہزار ہا آدمی بھی کہیں کہ ڈی سی نہیں آیا تو یہ کہے گا کہ تم جھوٹ بولتے ہو میں خود دیکھ کر آیا ہوں۔ اب دنیا کی کوئی طاقت اسے گمراہ نہیں کرسکتی، اس کو حقیقت کہتے ہیں یعنی انتہا تک پہنچنا۔

۱۳- معرفت کا مطلب ہے پہچان لینا، بعض اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ رستے میں جو کچھ اس کے اسباب و ذرائع پہچانے گئے ہیں، یہ معرفت ہے، مگر میری تحقیق یہ ہے کہ جس کو جس وقت یہ چیز پوری حاصل ہو جائے معرفت حاصل ہو گئی، شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت یعنی انتہا تک پہنچنا یہی تصوف و سلوک کا مقصود ہے، جسے یقین کامل اور اطمینان ہوتا ہے، وہی اس تک پہنچتا ہے۔

ضرورت ہے

ایسے افراد کی جو زندگی کے مختلف شعبوں میں معقول تنخواہ پر انجمن دارالعرفان کے مجوزہ تعلیمی، زراعتی، تجارتی، صنعتی اور دیگر مختلف منصوبوں میں کام کرسکیں۔ ہر عمر اور تجربہ کے افراد کی ضرورت ہے۔ جلد از جلد اپنے مکمل کوائف اور تقرر کے مقام سے درج ذیل پتہ پر مطلع کریں۔

بشیر احمد چوہدری

معرفت ایڈیٹر المرشد، اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ۔ ٹاؤن شپ لاہور

پروگرام انشاءاللہ تعالیٰ

۱۹۹۲ء (۱۴۱۳ھ – ۱۴۱۲ھ)

ماہ	اندرون ملک
جنوری	16 اجتماع دارالعرفان (جمعرات / جمعہ) — اجتماع منڈی بہاؤالدین ڈویژن 20 (سوموار)
فروری	7 (جمعۃ المبارک) ملتان – ڈیرہ غازی خان – بہاولپور ڈویژن 16 (اتوار) — 27 اجتماع دارالعرفان 28 (جمعرات / جمعہ)
مارچ	7 (سنیچر) رمضان المبارک — 26 اعتکاف آخری عشرہ
اپریل	5 (اتوار) عید الفطر — 15 (جمعۃ المبارک) لاہور / گوجرانوالہ ڈویژن 16 (جمعرات) — 24 (جمعۃ المبارک) فیصل آباد / سرگودھا ڈویژن 30 (جمعرات)
مئی	9 (سنیچر) پشاور / ایبٹ آباد ڈویژن 17 (اتوار) — D.I.K 19 ڈویژن
جون	3 (بدھ) آزاد کشمیر 9 (منگل) — 11 عید الاضحیٰ — 18 اجتماع دارالعرفان 19 (جمعرات / جمعہ) — 24 چترال 30
جولائی	9 (جمعرات) سالانہ اجتماع دارالعرفان منارہ
اگست	14 (جمعۃ المبارک) اختتام سالانہ اجتماع — 22 (سنیچر) کوئٹہ 27 (جمعرات)
ستمبر	5 (سنیچر) کراچی 11 (جمعۃ المبارک) — 24 اجتماع دارالعرفان 25 (جمعرات / جمعہ)
اکتوبر	8 (جمعرات) تھر مخدوم 9 (جمعہ) — 17 (سنیچر) گلگت 22 (جمعرات)
نومبر	26 اجتماع دارالعرفان 27 (جمعہ / جمعرات)

نوٹ:

(۱) حسبِ معمول جب حضرت تشریف نہ لا سکیں تو پیرزادہ حافظ عبدالرشید / ناظم اعلیٰ یا نامزد نائب ناظم اعلیٰ نمائندگی کریں گے۔

(۲) فروری، ستمبر اور نومبر اجتماع دارالعرفان کے ساتھ حافظ آباد شریف آباد ہوگا۔ یعنی جمعرات احباب مرشد آباد جمع ہوں گے۔ سادات کے قیام کے بعد صبح دارالعرفان آ جائیں گے اور بعد از جمعۃ المبارک اجتماع ختم ہوگا۔ اسی طرح معمول کے مطابق دو روزہ سالانہ اجتماع بھی ہوگا۔

(۳) ڈویژن کے دورے کے متعلق پروگرام متعلقہ صاحبِ مجاز احباب مرتب کر کے دفتر ناظم اعلیٰ کو ایک ہفتہ قبل بھجوائیں گے۔

غبارِ راہ

بے حد شگفتہ، اُجلی اُجلی اور جذب کرنیوالی تحریر

حصّہ دوم بھی چھپ چکا ہے۔

جس میں سفر بھی ہے، سیر بھی ہے، مزاح بھی ہے، تہذیبِ مغرب کی عکاسی اور تجزیہ بھی ہے۔ مگر ان سب کے علاوہ اور ان سب پر مقدم اِس مُقدس اور عظیم مشن کی تکمیل اور اپنے فرض کی ادائیگی کا احساس ہے جو اس تحریر کو ایک مُنفرد شان، حُسن اور مقصدیت بخشتا ہے۔ اِس پائے کی تحریر صرف ایک ہی قلم کی زینتِ نوک ہو سکتی ہے

شیخ المکرّم حضرت مولانا محمّد اکرم مدظلہ،
کے سفرناموں کا مجموعہ

قیمت: ۱۳۰ روپے

اسرار التنزیل

	غیر مجلد	مجلد آرٹ پیپر
جلد اوّل	-/۱۰۰	-/۱۹۰
جلد دوم	-/۸۰	-/۱۳۰
جلد سوم	-/۷۰	-/۱۳۰
جلد چہارم	-/۸۰	-/۱۳۰

منی آرڈر یا ڈرافٹ بھیج کر منگوا سکتے ہیں

اویسیہ کتب خانہ۔ اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ۔ ٹاؤن شپ۔ لاہور

۱۹۹۱ء جمہوریت کے علمبرداروں کے نام

مقبوضہ کشمیر میں انڈین آرمی کے مظالم پر تحفظ حقوق انسانی سرینگر کی تفصیلی رپورٹ

۱۹۹۱ء	شہید کردیئے گئے	گرفتار کیے گئے	عورتوں کی [illegible]	گھروں کو جلایا گیا	اذیت دے کر شہید کیا گیا	معذور زخمی کیے گئے	اغواء گمشدگی	کرفیو کے دن
جنوری	۸۰۰	۲۰۵۰	۲۳	۲۶۰۹	۱۶	۲۱۰۷	۲۱۱	۱۲
فروری	۸۹۱	۱۹۷۰	۱۵	۳۴۲	۲۲	۱۹۰۶	۳۰۱	۷
مارچ	۴۲۱	۲۰۴۰	۲۷	۲۶۱	۳۱	۲۴۱۱	۳۴۱	۱۵
اپریل	۶۲۵	۲۶۴۲	۲۹	۴۱۱	۱۳	۲۱۲۴	۱۰۲	۹
مئی	۷۳۱	۱۹۴۱	۲۳	۶۵۱	۱۷	۱۹۱۱	۵۱۲	۱۱
جون	۵۴۷	۲۰۹۲	۲۱	۲۴۰	۲۱	۱۸۲۳	۳۲۰	۱۰
جولائی	۶۹۵	۱۸۲۱	۱۹	۶۴۱	۲۷	۱۷۲۹	۴۰۷	۱۵
اگست	۷۱۱	۹۴۱	۱۶	۹۲۷	۱۹	۱۷۹۲	۱۲۹	۱۳
ستمبر	۵۴۱	۱۷۰۹	۲۲	۵۲۳	۲۷	۲۱۷۱	۸۰۸	۹
اکتوبر	۴۰۷	۱۹۰۲	۲۶	۸۶۹	۱۷	۱۴۳۲	۱۰۲	۷
نومبر	۷۹۲	۲۵۱۰	۲۹	۸۱۱	۲۶	۱۸۱۱	۸۶۶	۱۲
دسمبر	۹۰۲	۲۷۰۸	۲۸	۷۶۹	۲۹	۲۳۴۳	۱۰۷۰	۱۶
ٹوٹل :	۸۰۸۳	۲۴۲۲۶	۲۴۸	۶۷۱۳	۲۶۵	۲۲۵۶۷	۴۴۵۰	۱۳۶

شعبہ نشر و اشاعت حرکت الجہاد الاسلامی (رجسٹرڈ) آل جموں و کشمیر

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریباً تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فوراً ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255